شریعت اسلامی خدا کی بھیجی ہوئی آخری شریعت ہے

شریعت اسلامی خدا کی بھیجی ہوئی آخری شریعت ہے، جس سے قیامت تک انسانیت کی ہدایت وفلاح متعلق ہے، مسلمان اس دین خداوندی کے امین ہیں اور پوری انسانیت تک خدا کے اس پیغام کو پہنچانا امت کا فریضہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم خود اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوں، اور اس کے مطابق عمل کریں، اگر ہم خود شریعت پر عمل پیرا نہ ہوں اور اس بات کی توقع رکھیں کہ حکومت ہمارے قانون کی حفاظت کرے گی، تو یہ سادہ لوحی ہوگی، آج مسلم معاشرہ میں بہت سی برائیاں در آئی ہیں، خاص کر شادی بیاہ میں بے جا مطالبہ، فضول خرچی، رشتہ داروں کے حقوق سے بے اعتنائی، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا نکاح نہ ہونا اور ان سے متعلق حقوق کی عدم ادائیگی، عورتوں کو حق میراث سے محروم رکھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ ربط وتعلق میں شریعت اسلامی کو رہنما بنانے کے بجائے رسم ورواج کو معیار بنانا، یہ ایسی برائیاں ہیں، جو آج دوسرے ہمسایوں سے متاثر ہوکر مسلم سماج کا حصہ بن چکی ہیں، علماء اور خطباء کا فریضہ ہے کہ وہ ان کے بارے میں پوری قوت کے ساتھ عام مسلمانوں کو آگاہ کریں، مذہبی تنظیموں، سماجی کارکنوں اور تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں سماج کو ان برائیوں سے دور رکھنے میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کریں اور مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کریں، ایسا معاشرہ جس میں کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو، ایسا معاشرہ جس میں کوئی شخص کس مپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہیں ہو، ایسا معاشرہ جس میں تمام طبقات کو اس کے حقوق دیئے جاتے ہوں، کیوں کہ ہم اپنے عمل سے ہی اسلام کا صحیح اور مؤثر تعارف کرا سکتے ہیں۔

شریعت پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور خاص کر قانون دانوں اور دانشوروں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اسلامی شریعت پوری طرح انسانی فطرت، انسانی ضرورتوں اور عقل کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، جس میں ہر طبقہ کے ساتھ عدل وانصاف اور حقوق کے درمیان توازن اور اعتدال سے کام لیا گیا ہے، کیوں کہ یہ شریعت خدا کی بھیجی ہوئی ہے اور خدا سے بڑھ کر انسان کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے کوئی اور ذات آگاہ نہیں ہوسکتی، افسوس کہ اس بات پر بہت کم توجہ دی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں میں شریعت اسلامی کی تفہیم کی کوشش کی جائے، بحمدللہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ خاص طور پر محقق علماء، ارباب افتاء، وکلاء اور دانشوروں سے اپیل کرتا ہے کہ اس موضوع پر باہمی مذاکرات رکھے جائیں، قانون شریعت کو سمجھا اور سمجھایا جائے اور برادران وطن تک بھی اسلام کے فلسفۂ قانون کو پہنچایا جائے۔

اعلامیہ کولکاتا

منعقدہ ۲۹ فروری، ۱، ۲ مارچ ۲۰۰۸ء کولکاتا

سہ ماہی — نئی دہلی

خبر نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر: ۲ | اپریل ۲۰۰۸ء تا جون ۲۰۰۸ء | شمارہ نمبر: ۳

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A/1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@vsnl.net

ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A/1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	پیغام	کاکا سعید عمری	۵
۳	اداریہ	مولانا سید نظام الدین	۶
۴	سماجی انصاف، عدلیہ اور عوام	مولانا محمد ولی رحمانی	۸
۵	مسلم معاشرہ کی حالت زار	مولانا محمد عبداللہ مغیثی	۱۲
۶	مسلمان زوال کی طرف کیوں	مولانا غلام محمد وستانوی	۱۴
۷	فضول خرچی	قاضی عبدالاحد ازہری	۱۵
۸	پڑوسیوں کے حقوق	مولانا اعجاز احمد قاسمی	۱۷
۹	لاٹری اور جوا	مولانا شکیل احمد سیتاپوری	۲۱
۱۰	معاشرہ سے وابستہ گوناگوں مسائل اور ان کی اصلاح	مولانا احمد نادر القاسمی	۲۳
۱۱	اصلاح معاشرہ-عملی تدابیر	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	۳۰
۱۲	اسلام میں عورت کا مقام	مولانا عتیق احمد بستوی	۳۳
۱۳	انفاق اور کنجوسی	ڈاکٹر سید علی محمد نقوی	۴۰
۱۴	مسلم شناخت و سکونت-تعلیم و روزگار کے مسائل	ڈاکٹر اوصاف احمد	۴۴
۱۵	بیان ان کا	مولانا قاضی حسین احمد	۴۹
۱۶	چند اہم خبریں	ادارہ	۵۱
۱۷	خبرناموں میں شائع شدہ مضامین کی موضوعاتی تفصیلات	ادارہ	۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله كفىٰ، و سلام على عباده الذين اصطفىٰ، أما بعد:

ہماری یہ ملت باوجود ملک کی اقلیت ہونے کے اتنی بڑی ہے کہ مسلم اکثریت کے اکثر ملکوں کی آبادیاں بھی اتنی بڑی و وسیع نہیں ہیں، اس امت کو اپنی اسی وسعت کے مطابق عمومی زندگی کے لحاظ سے اور شریعت کے مقرر کردہ احکام کے لحاظ سے مختلف النوع مسائل اور ضروریات سے سابقہ پڑتا ہے، جن کے حل کے لئے اپنے ملک سے باہر سے ان کو کوئی خاص مدد نہیں مل سکتی، ان کو خود اپنے ہی اہل فکر و اہل قیادت افراد سے ہی مدد لینا ہے، لیکن امت مسلمہ ہونے کے تعلق سے اپنے اسلامی احکام کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے کرنا ہوتا ہے۔

یہ مسائل کچھ تو عمومی ہیں جو ملک کے دوسرے مذاہب و طبقات میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں، جو شہری حقوق اور تمدنی تقاضوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان میں ملک و ملت کے عام اہل فکر و دانشوروں کی رہنمائی کافی ہوتی ہے۔ اور دوسرے وہ مسائل ہیں جو شریعت کے متعینہ احکام کے تحت آتے ہیں، اور ان کا تعلق حرام و حلال سے ہے، اور ان کی پابندی سے مسلمان مسلمان بنتا ہے۔ ان مسائل کے سلسلہ میں **"مسلم پرسنل لا"** کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، ان مسائل کے سلسلہ میں کوئی قابل فکر بات ہوتی ہے تو شریعت کے علم سے واقف حضرات اور امت کے دیگر دانشور مل کر توجہ کرتے ہیں، اور کوئی رکاوٹ آئے تو اس کو دور کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

"مسلم پرسنل لا" کی اس اصطلاح کے تحت آنے والے معاملات میں مسلمانوں کو دستور ہند کے سیکولر ہونے اور ہر مذہب والوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونے کی بناء پر اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کا حق حاصل ہے۔ اور یہ مسائل بھی ایسے ہیں کہ ان میں کوئی تبدیلی یا رکاوٹ اسلامی شریعت میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ یہ مسائل حرام و حلال کا حکم رکھنے والے مسائل ہیں، جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ ان کے سلسلہ میں مسلمانوں کو اس بات پر نظر رکھنا ہوتی ہے کہ ملک کے کسی حلقہ سے شریعت اسلامی کے کسی حکم میں مداخلت تو نہیں ہو رہی ہے اور ہم کو اہل قانون اور ارباب حکومت کے سامنے یہ بات واضح کرنا ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے کہ اس کو اس کے ماننے والے کسی وجہ سے تبدیل کردیں، یہ شریعت ہم کو وحی الٰہی کے ذریعہ ہمارے پروردگار کی طرف سے دی گئی ہے لہٰذا اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اسی کے ساتھ ہم مسلمانوں کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس شریعت کا دائرہ زندگی کے مختلف پہلوؤں تک وسیع ہے، برخلاف دیگر قوموں کے مذہبی دستور العمل کے کہ جہاں صرف عبادات اور چند رسوم تک معاملہ محدود رہتا ہے۔

ہماری اسلامی شریعت صرف عبادات ہی نہیں، بلکہ معاملات اور اخلاق تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں شوہر و بیوی کے درمیان عقد ہونے، پھر ان کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق قائم ہونے کے احکام، ماں باپ اور اولاد کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق، حصول مال اور ان کے لین دین کے معاملات، نیز انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم کے احکام اور اس طرح کے بعض دوسرے معاملات شامل ہیں، ان سب میں شریعت کا حکم دیکھنا ہوتا ہے، اور ان پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، ایک طرف تو ان سب احکام پر عمل کرنا، پھر اس بات کی فکر رکھنا کہ ان معاملات میں کوئی تغیر اور رکاوٹ آتی ہے تو اس کو دور کرنا ہے، اور دستور

کے دیئے ہوئے حق کی بناء پر اس کوایسا کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔

شریعت کے مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ شہری زندگی کے عمومی مسائل جو زندگی کو بہتر بنانے اور وسائل کو ترقی دینے اور عام شہری تقاضوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے معاملہ میں مسلمان اور دوسرے مذہبوں اور طبقات کے لوگ مشترک ضرورت رکھتے ہیں، مثلاً معاشی استحکام، سیاسی تقاضے، تعلیمی ضرورت اور امن وامان اور دیگر انسانی ضرورت کے معاملات، یہ وہ مسائل ہیں جو حکومت کے ذمہ داروں اور سب شہریوں کی ذمہ داری میں آتے ہیں، ان کے تقاضے پورے کرنے کے لئے دیگر فرقوں کے دانشوروں اور مسلمانوں کے دانشوروں کی طرف سے بھی اجتماعی ادارے اور انجمنیں قائم ہیں، جو اپنے اپنے وسائل کے مطابق ان کے لئے کوشاں رہتے ہیں، ان کے لئے مسلمانوں کی بھی مختلف جماعتیں اپنی اپنی جگہ پر قائم اور اپنے اپنے اختیار کردہ مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔

لیکن جو معاملات مخصوص طور پر ہماری اسلامی شریعت کے تحت آتے ہیں، اور ان میں حرام وحلال کا مسئلہ بنتا ہے، خاص طور پر ان کے لئے ہمارے بورڈ کی تشکیل ہوئی، اور ان کی تشکیل کی ضرورت اس وقت سے محسوس ہوئی جب ملک کے بعض لوگوں کی طرف سے ہمارے شریعت اسلامی کے کسی عمل کو قائم رکھنے کے حق کو ختم کرنے کی بات اٹھائی گئی، چنانچہ مسلمانوں نے اپنے تمام مسلکوں وجماعتوں کے مشترک جلسوں میں مشترک اور متحدہ آواز اٹھانے اور ضرورت کے مطابق جمہوری اور قانونی اقدام کرنے کے لئے بورڈ کی تشکیل کی، جو الحمدللہ فائدہ مند رہی، اور شریعت اسلامی کے تحفظ کے لئے ایک مشترک پلیٹ فارم بن گئی، اور اس پلیٹ فارم سے شریعت کے تحفظ کے لئے مفید خدمات انجام دی گئیں، اور ان کا سلسلہ الحمدللہ قائم ہے۔

بورڈ اپنے دائرہ کار کے تحت جن پہلوؤں پر توجہ صرف کرتا ہے ان میں ایک اس بات پر نظر رکھنا ہوتا ہے کہ اگر شریعت میں کسی باہر حلقہ سے تبدیلی کی کوئی بات سامنے آرہی ہے تو اس کے تدارک کے لئے قانونی یا جمہوری طریقہ اختیار کر کے روکا جاسکے۔ دوسری طرف اس بات کی کوشش کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی پابندی تمام مسلمان اپنی عملی زندگی میں قائم رکھیں، اس کے لئے اصلاح معاشرہ اور دارالقضاء جیسی تدابیر بورڈ کی طرف سے اختیار کی جارہی ہیں۔

شریعت کے معاملات کی فکر کے ساتھ ساتھ بعض ایسے معاملات میں بھی جو ملت کے مشترک مفاد سے تعلق رکھتے ہیں، بعض ناگزیر صورتوں میں بورڈ ضرورت محسوس کر کے تعاون دیتا ہے۔ اس طرح بورڈ نے بعض ایسے دیگر مسائل میں جو تعاون دیا، اس سے ملت کے بعض افراد کو یہ خیال ہونے لگا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دائرہ کار ملت کے تمام معاملات تک پھیلا ہوا ہے، پھر اسی خیال کے مطابق انہوں نے بورڈ کی کارکردگی کا جائزہ لیا، اور پھر اسی کے مطابق ان کو اعتراض کا موقع محسوس ہوا، حالانکہ ملت کی ضروریات کے مختلف پہلوؤں کے لئے ملت کے اندر مختلف جماعتیں ہیں، جو اپنی اپنی جگہ پر اپنے اختیار کردہ ملت کے مسائل کے لئے کوشاں ہیں۔ اور اس طریقہ سے ملت کی وہ ضرورت پوری ہورہی ہے جو اس مقصد سے تعلق رکھتی ہے، بورڈ ایسے معاملات میں باقاعدہ طریقہ سے شرکت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

وہ اسی کے ساتھ ان معاملات میں بھی جن میں ملت کے مختلف مسلکوں اور گروہوں کے درمیان باقاعدہ قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، ان کو بورڈ انہی جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے، اور ان کو اپنے دائرہ کار میں شامل نہیں کرتا، اور اپنے کو شریعت کے بنیادی معاملات جن پر امت کے سب حلقوں یا اکثر حلقوں کا اتفاق ہے، اور جن کا شریعت کے تحفظ سے تعلق ہے، ان ہی تک محدود رکھتا ہے، بورڈ کا یہ طرز اور طریقۂ کار بورڈ کی کوششوں کا جائزہ لینے والوں کے سامنے رہے تو اس سلسلہ میں غلط فہمی کی صورت نہ پیدا ہوگی، اور اس سلسلہ میں بورڈ کے کاموں میں جو تعاون کر سکتے ہوں، کرنا چاہئے۔

بورڈ شریعت اسلامی کی مشترک اور بنیادی ضرورت کا ادارہ ہے، اس کے کام کرنے والے سیاسی اور اختلافی معاملات میں غیر جانبداری کا اہتمام رکھتے ہیں، اور اپنے طور پر رضا کارانہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ اس میں دین وشریعت کی فکر رکھنے والے تمام حضرات اپنی حد تک بورڈ کے کارگزاروں کے ساتھ تعاون کریں تو اس مشترک مقصد کے کام کو بڑی تقویت مل سکتی ہے، یہ سب کا کام ہے اور سب کے تعاون کا مستحق ہے۔

پیغام

کاکا سعید احمری
نائب صدر بورڈ

''مسلم پرسنل لا بورڈ'' ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کا ایک نمائندہ ادارہ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد اتحادِ ملت، تحفظ شریعت اور ایک ایسے صالح معاشرے کا قیام ہے جو اخلاق و معاملات میں اہل وطن کے سامنے اسلام کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ تحفظ شریعت اور اصلاح معاشرہ کا یہ اہم کام اسی وقت ممکن ہے جب کہ ملت کو اپنے مقصدِ وجود کا صحیح احساس ہو۔

پیغمبر ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دنیا کے لئے سراسر رحمت و راحت بن کر ملک کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنائیں، تبھی اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے آ سکے گی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو شعوری کوشش کرنے بلکہ بلا تاخیر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ سہ ماہی ''خبر نامہ'' کا یہی پیغام ہے اور آج دنیا کو اس ''پیغام'' کی اشد ضرورت ہے۔ میری نیک تمنائیں اور پر خلوص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالی بورڈ اور اس کے ترجمان کے ذریعے احیاء ملت کا عظیم الشان فریضہ بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دینے کی ہم سب کو ہمت، طاقت اور توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

مجلّہ اور بورڈ کی کامیابی کا دلی متمنی

کاکا سعید ال

اداریہ

جدید تقاضے اور مسلم پرسنل لا بورڈ

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ آج بھی اپنی قدیم ہیئت پر قائم ہے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہے جس میں سبھی اسلامی تنظیموں کے نمائندے، مختلف مسالک کے رہنما و قائدین اور ہر طبقہ کے افراد شامل ہیں۔ ابتدا میں بورڈ کے ارکان کی تعداد ۱۰۱ تھی جس میں پندرہ خواتین تھیں بعد میں پچاس کا اضافہ ہوا اور خواتین کی تعداد پندرہ سے پچیس ہوگئی اور اب کولکاتہ اجلاس کے بعد ارکان اساسی و میقاتی کی کل تعداد دو سو اکاون (۲۵۱) ہے جس میں تیس (۳۰) خواتین ہیں۔

ظاہر ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام شریعت اسلامی کے خلاف ملک میں جاری کوششوں کے برے نتائج سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے، اس کے اندر اپنے مذہب کے تئیں اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے اور قوانین شریعت سے فرزندان اسلام کو واقف کرانے جیسے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے عمل میں آیا تھا۔ اس کے قیام کے وقت جو صورت حال تھی وہ ختم نہیں ہوئی ہے اور آج بھی حکومت اور دیگر تنظیموں کی طرف سے اس ملک میں جہاں درجنوں مختلف تہذیب و تمدن پر عقیدہ رکھنے والے بندگان خدا رہتے ہیں، یکساں سول کوڈ اور مغربی تہذیب و تمدن کے زیر اثر دوسرے بہت سے غیر مناسب قوانین کو آئینی درجہ دینے اور انہیں ملک کے تمام باشندوں پر واجب العمل قرار دینے کی تحریکیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ پتہ نہیں یہ ادارے اور ان سے جڑے ہوئے افراد اس ہمہ گیر و لازوال قانون قدرت کو کیوں نہیں سمجھ پاتے کہ فطرت انسانی متنوع واقع ہوئی ہے اور بنی نوع انساں مختلف مذاہب و عقائد پر ایمان رکھتی رہی ہے اور ان سب کے لئے یکساں قوانین معاشرت ان کی مرضی کے بغیر لازمی طور پر تھوپنا نہ صرف یہ کہ وہ مفید نہیں ہے بلکہ وہ ہر طرح سے نقصان دہ ہے۔ اس کے علاوہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی جو دلیلیں دی جاتی ہیں، اہل فکر و دانش جانتے ہیں کہ وہ کھوکھلی اور بے بنیاد ہیں، مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا ہموار ہوگی اور ساری قومیں ایک دوسرے سے قریب آئیں گی مگر یہ ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں یکساں سول کوڈ نافذ ہے، اس کے باوجود ان کے درمیان ایسی خونریز جنگیں ہو چکی ہیں جن میں کروڑوں انسانوں کو اپنی جانیں گنوانی پڑیں اور اس دنیا کا اتنا نقصان ہوا جس کی تلافی کبھی نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے ایک ایسے ملک میں جس کی اساس کثیر مذہبی جمہوریت کے تصور پر ہے وہاں اس طرح کے قوانین کے نفاذ کی بات کرنا ملک کے پر امن ماحول کو بگاڑنے اور وہاں کے شہریوں کو پریشان کرنے کے علاوہ کوئی مثبت نتیجہ مرتب نہیں کر سکتا۔ یہی وہ عوامل ہیں جن کے سبب بورڈ نے اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے اپنے وطن کو درپیش خطرات سے محفوظ رکھنے اور مسلمانوں کو عزت و وقار کے ساتھ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گذارنے پر آمادہ کرنے جیسے مقدس مقاصد کی حصولیابی کی خاطر کوششیں کی ہیں اور پوری دنیا گواہ ہے کہ کامیابیوں نے اس کے قدم چومے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں پارلیمنٹ کے سامنے لے پالک بل پیش کئے جانے کا مسئلہ ہو یا ایمرجنسی کے زمانہ میں اندرا

گاندھی کے ذریعہ جبرا خاندانی منصوبہ بندی کے اجرا کا فتنہ، ۱۹۷۸ میں مساجد ومقابر کوا یکوائر (acquire) کرنے کا فیصلہ ہویا اوقاف کی زمینوں پر ٹیکس لگانے کا ارادہ، شاہ بانو کا مقدمہ ہو یا انہدام بابری مسجد کا افسوسناک سانحہ، ان سب معاملات میں بورڈ نے جو بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے وہ مسلمانوں کے لئے فخر کا باعث ہے، خود حکومت کو بھی شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس نے ملک کو طوائف الملوکی سے محفوظ رکھنے میں اس کی مدد کی ہے۔

خارجی مسائل کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ بورڈ نے مسلمانوں کے انحراف دینی کی اصلاح کے میدان میں بھی کافی کوششیں کی ہیں، اس نے پورے ملک میں نظام قضاء کی راہ ہموار کرنے اور مرکزی مقامات پر دارالقضاء قائم کرنے کے لئے عملاً کئی قدم اٹھائے ہیں، یہ ایک نہایت اہم اورضروری کام ہے جس کی برکتوں کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو ہندوستانی عدالتوں سے واسطہ پڑا ہے۔وقت وپیسہ صرف کرنے کے بعد بھی انہیں بسا اوقات ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، دارالقضاء میں بیٹھے ہوئے خدائی نمائندے کے پاس مسلمان آکر تو دیکھیں کہ انہیں کس طرح سعادت دارین حاصل ہوتی ہے۔یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ عدم واقفیت کی بنا پر احکام اسلامی کے فوائد سے مستفید نہیں ہو پاتے، حالانکہ مسلمانوں یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی اسلام اور اس کی لازوال خوبیوں سے واقف کرانا نہ صرف مثبت نتائج مرتب کرسکتا ہے بلکہ یہ ایک فرض کفایہ بھی ہے۔اسی طرح معاشرے میں پھیلی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے بھی بورڈ نے ایک الگ شعبہ ''اصلاح معاشرہ'' کے نام سے قائم کررکھا ہے جو جہیز وتلک، مہر کی عدم ادائیگی، بیواؤں کے ساتھ ناروا سلوک، لڑکیوں کو رحم مادر ہی میں قتل کرنے اور دوسرے مہلک رسم ورواج کی بیخ کنی کے لئے لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے کے منصوبے کی تکمیل کی طرف گامزن ہے۔ بورڈ کے جو اعلی مقاصد ہیں ان میں عورتوں کے حقوق وعصمت کی حفاظت کے لئے انہیں ساتھ لے کر آزادئ نسواں جیسی تحریک کے بھیانک اثرات کو زائل کرنے کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا اور اس کی تکمیل کی کوشش بھی شامل ہے کیونکہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق واحترام عطا کیا ہے اس کی مثال قدیم وجدید نقطہائے نظر میں ملنی مشکل ہے، اس لئے بورڈ آبادی کے نصف حصے کو اسلام کے عطا کردہ حقوق سے فائدہ پہنچانے کے لئے پرعزم ہے۔اس طرح جس صالح معاشرہ کی تشکیل ہوگی اس میں پوری انسانیت سکون کے ساتھ زندگی گذار سکے گی۔ان منصوبوں اور مقاصد کے حصول کے لئے ہر ایک کا تعاون ضروری ہے، خصوصا کولکاتہ اجلاس کے بعد بورڈ کے عہدیداران، ممبران اور اس سے وابستہ بھی حضرات کو ایک نئے عزم وحوصلے کے ساتھ بورڈ کے کارواں کو منزل تک پہونچانے میں اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرنی چاہئے، نیز انہیں اپنی ذاتی زندگی میں بھی شریعت کے اصول وضوابط کو پیش نظر رکھنا ہوگا تاکہ وہ عوام کے سامنے ایک اچھا نمونہ پیش کرسکیں۔

زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے، پیمانے تبدیل ہورہے ہیں، نئی ایجادات وانکشافات سے دنیا کی ساری قومیں فائدہ اٹھارہی ہیں، آج کے معاشرے میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا کافی اہم رول ہوگیا ہے، رائے عامہ ہموار کرنے میں اسے مرکزی کردار حاصل ہے، آج کی دنیا میں ان وسائل وذرائع کا اتنا زور ہے کہ ان کے ذریعہ لوگ کبھی کبھی حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، اس لئے بورڈ کے پلیٹ فارم سے جو تعمیری واصلاحی کام کئے جارہے ہیں اس سے عوام کو واقف کرانا ازحد ضروری ہے۔

موجودہ حالات میں ہمیں ذرائع ابلاغ کی اہمیت وافادیت کو سمجھنا ہوگا اور ان سے حتی الامکان استفادہ بھی کرنا ہوگا، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک ہم اپنی بات پہونچا سکیں، اس لئے ارکان بورڈ کو میڈیا پر خاص نگاہ رکھنی چاہئے، انہیں اپنے نظام عمل میں ایسی گنجائش نکالنی چاہئے تاکہ وہ بورڈ کے طے شدہ اغراض ومقاصد کی روشنی میں ہندوستانی سماج کی اصلاح وتعمیر کا کام اور اس سلسلہ میں اسلامی پیغام میڈیا کے ذریعہ تمام انسانوں تک پہنچا سکیں۔

اللہ تعالی ہمیں ان کاموں کو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

سماجی انصاف، عدلیہ اور عوام

مولانا محمد ولی رحمانی
سکریٹری بورڈ

کسی بھی سماج میں اختلاف اور نزاع فطری بات ہے، ایسے معاملات کو حل کرنے کے لئے لوگ خاندان اور سماج کے تجربہ کار بزرگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے فیصلہ کو مانتے ہیں، یہ اختلاف ذرا بڑا ہو، تو اکثر و بیشتر حضرات خاندان اور سماج کے بزرگوں کے بجائے حکومت کی عدالتوں میں جاتے ہیں، صرف اس لئے کہ عدالتیں اپنے فیصلہ کو نافذ کرانے کے لئے پولیس کی طاقت اور حکومت کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اسی طاقت اور صلاحیت کے لئے قانون اسلامی کی اصطلاح میں قوت نافذہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ قوت نافذہ یا پولیس کی طاقت اور حکومت کی صلاحیت ''فیصلہ'' کا حصہ نہیں ہے، فیصلہ کا مطلب ہے قانون کے مطابق حق اور سچ کا اظہار۔ کسی بھی معاملہ میں سچ کو جھوٹ سے الگ کرنا، دعویٰ اور دلیل کی مطابقت دیکھنا، شہادتوں کا جائزہ لینا، فیصلہ کرنے والے کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

فیصلہ کرنے والوں کی فطری صلاحیت، علمی لیاقت اور صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی قوت یکساں نہیں ہوتی، جیسے جیسے وقت گذرتا جارہا ہے، فیصلہ کرنے والوں کی غیر جانبداری بھی مشتبہ ہوتی جارہی ہے، یہ غیر جانبداری فیصلہ کرنے والے کے لئے بہت اہم ضرورت اور بڑی قیمتی صفت ہے۔ اسلامی قانون کی زبان میں فیصلہ کرنے والے کے لئے ''عدالت'' کی شرط بھی ہے، جس کے دائرہ میں غیر جانبداری بھی آتی ہے۔ حکومت کی عدالتوں میں فیصلہ کرنے والوں کے لئے بھی یہ شرط موجود ہے، اور ججوں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ وطن سے محبت اور قانون کے احترام کے جذبہ کے تحت غیر جانبدار رہیں گے، اور ایسا فیصلہ کریں گے، جو ان کی لیاقت، قابلیت اور شہادت کے لحاظ سے درست ہو۔ ان فیصلوں میں سچ کی حمایت اور حق کا اظہار ہوگا، غیر جانبداری اور دیانتداری ہر حال میں برقرار رہے گی۔

اولاً فیصلے کرنے والوں کی فطری صلاحیت اور علمی لیاقت میں بڑا فرق و فاصلہ ہوتا ہے، دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ وطن عزیز میں عدالتوں کی غیر جانبداری اور شک وشبہ سے بالاتر دیانتداری پر بھی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے ایسے سوالات سامنے آرہے ہیں جو ججوں کی ایمانداری پر پائی جانے والی بے چینی کو ظاہر کرتے ہیں، یہ آوازیں ابھی بلند نہیں ہیں، نہ کسی گروپ یا جماعت نے اس کو اپنے ایجنڈا کا حصہ بنایا ہے، جس کی وجہ احترام عدالت کا قانون (آرٹیکل ۲۱۵) کنٹمپٹ آف کورٹ (Contempt of Court) ہے، لیکن عدالتوں کے بارے میں دانشوروں کا ذہن بہت صاف نہیں ہے اور نہ ان کی ایمانداری اور غیر جانبداری پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔

یہ بہت ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ سپریم کورٹ کے فاضل اور قابل احترام ججوں کے سامنے بھی یہ حقیقت رہی ہے، شاید اسی لئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے جی بالا کرشنن کو یہ کہتے ہوئے ججوں کا دفاع کرنا پڑا کہ ''محض مٹھی بھر جج الزامات کے گھیرے میں ہیں، میرے

خیال میں، اونچی عدالتوں کے جج صاحبان میں بڑے پیمانہ پر بھرشٹا چار پھیلا ہوا نہیں ہے''۔ چیف جسٹس محترم نے یہ بھی کہا کہ ''ججوں کو اپنی جائیداد کی سالانہ تفصیل بتانا ضروری نہیں''۔

واضح رہے کہ یہ سوال چیف جسٹس محترم سے اسی پس منظر میں کیا گیا تھا کہ جسٹس ایس پی بھروچا نے کہا تھا کہ ۲۰ (بیس) فیصد جج بے ایمان (بھرسٹ) ہیں۔ اسی طرح ادارہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے ایک سروے کے مطابق ۶۳ فیصد دیس کے رہنے والوں نے عدلیہ کو بے ایمان (بھرسٹ) بتایا تھا۔ چیف جسٹس محترم نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میری رائے ہے کہ موجودہ جسٹس حضرات میں بے ایمانوں کی اتنی بڑی تعداد نہیں ہے، یقینی طور پر یہ اعداد و شمار مبالغہ آمیز ہیں''۔ (بحوالہ روز نامہ ''ہندوستان'' ہندی، دہلی ۲/۵/۲۰۰۷ء)۔

مختلف وجوہ کی بناء پر عدالتوں کے نظم کو مرحلہ وار بنایا گیا ہے اور مقامی عدالتوں کے بعد ضلع کی عدالتیں ہیں، پھر صوبہ کی عدالتیں، اور سب کے اوپر سپریم کورٹ ہے، یہ مرحلے اس لئے بھی بنائے گئے ہیں، تا کہ مدعی یا مدعا علیہ کو ''انصاف ملنے میں'' کسی کمی کوتاہی کا احساس ہو، تو وہ عدالت بالا سے رجوع کر سکے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہماری عدالتوں میں انصاف بہت دیر سے ملا کرتا ہے اور انصاف تک پہونچنے کے مرحلے بہت گراں ہو گئے ہیں، عدالتوں پر کاموں کا بوجھ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اور وکلاء کی فیس بڑے شہروں میں رہنے اور مقدمہ کی پیروی کے لئے ہونے والے گرانبار اخراجات بعض دفعہ کمزور حقداروں کو حق سے دستبردار ہونے اور تھک کر گھر بیٹھ جانے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

عدالتوں میں وکیلوں کی فیس لاکھ دو لاکھ روپئے عام بات ہے، پھر وکلاء کی باہمی ملی جلی تدبیروں اور دیر سے فیصلہ کرانے کی تکنیک کی وجہ سے بھی فیصلوں میں بہت دیر لگ جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے کورٹ کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ۱۳۶ سال پر ہوا، جبکہ مدعی اور مدعی علیہ کی کئی پشتیں ختم ہو گئیں، اس دوران ملک غلامی سے آزاد ہوا، اور حکومتوں پر حکومتیں بدلتی رہیں، جج آتے اور جاتے رہے۔ فیصلہ ٹلتا رہا، اور جب آخری فیصلہ ہوا تو ۱۳۶ سال گذر چکے تھے، حکومت اور عدالتوں کو بھی اس ''تاخیر'' کا پورا احساس ہے، اس لئے ہر سطح پر ججوں کی تعداد بڑھائی جا رہی ہے، نئے نئے صوبے بنے تو ان کے ہائی کورٹ بھی نئے بنے۔ اس طرح عدلیہ کو چست درست بنانے اور جلد انصاف دلانے کا جذبہ اور عمل جاری ہے۔

عدالتوں میں پھر بھی فیصلہ میں بڑا وقت لگ جاتا ہے، میرے علم میں ایک پڑھے لکھے گھرانہ کا عائلی مقدمہ ہے، جن میں بیوی اور شوہر دونوں معیاری تعلیم یافتہ تھے، اور شادی کورٹ سے رجسٹرڈ کرائی گئی تھی، دو اولاد بھی ہوئی، مگر علیحدگی کی ضرورت پڑ گئی، طلاق کا اختیار کورٹ کو تھا، معاملہ زیریں عدالت میں پہونچا تو بات علیحدگی سے زیادہ اسباب علیحدگی کی آ گئی، پھر گھر کے قضیے عدالت میں بیان ہوئے اور اندرونی جھگڑوں نے عدالت میں رگڑے کی شکل لی، اور ایسی بحثیں ہوئیں، کہ اللہ کی پناہ۔ تقریباً تیرہ سال بعد نچلی عدالت سے فیصلہ ہوا تو معاملہ اوپر کی عدالت میں لے جایا گیا، پھر تاریخ پہ تاریخیں! — آہ کو چاہئے ایک عمر اثر ہونے تک — مجھ سے ملاقات ہو گئی تو صاحب معاملہ کہنے لگے کہ ''آپ کے یہاں اچھا ہے کہ طلاق دے کر چھٹکارا ہو جاتا ہے، یا خلع اور فسخ کی راہ بن جاتی ہے، میں ریٹائرڈ ہو جاؤنگا تب دوسری شادی کی نوبت آ سکے گی''۔

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس میں کاموں کا بوجھ اتنا بڑھ چکا ہے کہ لاکھوں مقدمات برسوں سے فیصلہ کے انتظار میں ہیں اور چند سال پیشتر کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان عدالتوں میں چھتیس لاکھ سے زیادہ مقدمات پنڈنگ ہیں، مقدمات کو جلد نبٹانے کے لئے مرکزی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ میں ججوں کی تعداد پچیس سے بڑھا کر،

تیس کر دی جائے، لیکن خود سپریم کورٹ میں جتنے مقدمات زیر سماعت یا زیر فیصلہ ہیں، ان کی مجموعی تعداد کے مقابلہ میں پانچ ججوں کے اضافہ سے کوئی بڑی تبدیلی نظر آنے والی نہیں ہے، یہ اضافی تعداد صرف سولہ سترہ فیصد مقدمات کے تصفیہ میں آسانی پیدا کر سکیں گے، اور فیصلہ کی رفتار سولہ سترہ فیصد بڑھے گی، جبکہ انصاف کا تقاضہ ہے کہ سپریم کورٹ کی رفتار کم از کم سو فیصد تیز کی جائے، تاکہ روزانہ جتنے مقدمات سپریم کورٹ میں آرہے ہیں، کم از کم روز اتنے ہی مقدمات فیصل ہوتے رہیں، پھر بھی جو مقدمات پنڈنگ ہیں ان کے فیصلہ کی راہ نکالنا سپریم کورٹ اور حکومت کی ذمہ داری ہے!

یہ ساری حقیقتیں عدالتوں اور حکومتوں کی نگاہ میں ہیں، اسی لئے انصاف جلد دلانے کے لئے مختلف قسم اور درجوں کے کورٹ بنائے گئے ہیں، مختلف ڈپارٹمنٹ کے اپیلیٹ کورٹ ہیں، محکمہ ٹیلی فون کا ڈپارٹمنٹل کورٹ ہے، بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے کنزیومر کورٹ ہے، اور مرکز، صوبہ سے لے کر ضلع کی حد تک اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، اس میں جوڈیشیل سروس کے علاوہ سماجی کارکن، قانون داں اور دانشور بھی فیصلہ کرنے والوں میں شامل ہوتے ہیں، چاہے انہیں قانون سے اچھی واقفیت ہو، یا نہیں۔! ہر ضلع میں لوک عدالت بنائی گئی ہے، اس میں جوڈیشیل سروس کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، اس عدالت کے ارکان میں وکیل کے علاوہ سوشل ورکر بھی ہوتے ہیں، جو قانون نہ جانتے ہوئے بھی فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں، اس کورٹ میں زیادہ تر قرض اور زمین کے معاملات آتے ہیں۔

اسی طرح فاسٹ ٹریک کورٹ کا نظم کیا گیا ہے، جسے ویوہار نیایالے (عملی عدالتیں) کہا جاتا ہے، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ فیصلے جلد اور کم خرچ ہوں، فیملی کورٹس بھی بنائے گئے ہیں، جن کا دائرہ فیملی امور تک محدود ہے، اور اب پنچایتی راج نظام کے تحت ہر ایک سرپنچ کو مختصر ٹریننگ کے بعد فیصلہ کا اختیار دیا جاتا ہے، یہ سرپنچ فیملی معاملات کو بھی اپنے اپنے دائرہ کار میں فیصلہ کیا کرتے ہیں، مکھیا اور وارڈ ممبر، سمیتی ممبر کی الیکشن کے نتیجہ میں ہر گاؤں ذہنی اعتبار سے الگ الگ شخصیتوں کے گرد گھومتا ہے، ان کے درمیان سرپنچ پر فیصلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے، جو لازمی طور پر کسی ایک حلقہ اور گروپ سے وابستہ ہوتا ہے، جس کی تعلیمی صلاحیت کا کوئی معیار نہیں ہے، وہ کتنے صحیح اور غیر جانبدار فیصلے کر سکتا ہے؟ اس پر کسی بھی رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے!

حکومت نے ان سارے سسٹم کو نافذ کیا ہے، تاکہ دوسرے معاملات کے ساتھ ساتھ فیملی معاملات طے پائیں، حکومت نے فیملی معاملات کے فیصلہ کا اختیار ان لوگوں کو بھی دیا ہے، جس کا علم نہ ہونے کے برابر اور جن کی غیر جانبداری شک و شبہ کے دائرہ میں رہتی ہے — پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ حکومت ہند نے ناگا قبائل سے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں ان کے رواجی قوانین کو بڑی اہمیت دی گئی، یہ رواجی قوانین نہ مذہبی ہیں، اور نہ لکھے ہوئے ہیں، اس معاہدہ کے تحت ناگا قبائل کے قوانین کو نہ پارلیمنٹ کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے اور نہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ان پر اثر انداز ہو سکتا ہے، ناگا قبائل کی پنچایت کا فیصلہ ناگاؤں کے لئے فائنل ہے، اور معاہدہ کے تحت عدالتیں ان فیصلوں کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر سکتیں۔

مختلف ذاتوں کی اپنی اپنی پنچایت ہے، جہاں ان کے معاملات کا فیصلہ ہوتا ہے، اور اس ذات سے تعلق رکھنے والے شادی بیاہ، تقسیم جائیداد، لین دین، مار پیٹ جیسے معاملات کے فیصلے اسی پنچایت میں ہوتے ہیں، اور سماجی تنظیم کے بل بوتے پر انہیں نافذ کیا جاتا ہے، ان میں خاص طور پر گوجر سماج، مینا سماج، ماڑواری سماج کی الگ الگ علاقوں میں پنچایتیں ہیں، جو فیصلے کیا کرتی ہیں، اسی طرح دلت سماج

میں علٰیحدہ علٰیحدہ ذاتوں کی علاقہ وار پنچایت کا عام رواج ہے، مختلف علاقوں میں آدیباسیوں کی بھی پنچایت موجود ہے، جو آدیباسی رواج اور روایت کے پیش نظر فیصلے کرتی ہے، اور عام طور پر اسے جھگڑا توڑ کہا جاتا ہے۔

وطن عزیز ہندوستان میں فیصلے کرنے اور انصاف پانے کے بہت سے طریقے ہیں، جن میں بہت سارے سرکاری ہیں، اور اچھی خاصی تعداد غیر سرکاری کی بھی ہے، یہ غیر سرکاری عدالتیں یا پنچایتیں بھی انصاف کرتی ہیں، اور متعلق لوگ ان کے فیصلوں کو رضا کارانہ قبول کرتے ہیں، سرکاری عدالتیں نہیں سمجھتیں اور نہ حکومت یہ مانتی ہے کہ یہ پنچایتیں یا عدالتیں سرکاری عدالتوں کے متوازی ہیں، یا ان کی وجہ سے اسٹیٹ اندر اسٹیٹ کی صورت پیدا ہورہی ہے، پورے ملک میں پھیلی چھوٹی چھوٹی پنچایتیں سرکاری عدالتوں کے بوجھ کو ہلکا اور کام کو آسان کرتی ہیں۔ پھر آربٹریشن ایکٹ Arbitration Act خود غیر سرکاری طریقۂ فیصلہ کی ہمت افزائی کرتا ہے، اور ثالثی کے ذریعہ آسانی کے ساتھ انصاف پانے کی راہ کو قانونی تحفظ دیتا ہے۔

ان شکلوں کی موجودگی میں گھریلو امور کے حل اور عائلی اختلافات کو دور کرنے اور مسلمانوں میں شریعت کے مطابق فیصلہ پانے کے لئے دارالقضاء کے نظم کو قائم کرنا مفید ہے، اور اسے پھیلانا سماجی برائی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، اور نہ صرف آربٹریشن ایکٹ کے پیش نظر دارالقضاء کو ایک مفید سماجی سسٹم ماننا چاہئے، بلکہ حکومت کے طرز عمل "آسان فیصلہ اور جلد فیصلہ" کے زاویہ نظر سے اسے دیکھنا چاہئے۔ دارالقضاء کے قاضی شرعی علم، اصول شہادت اور رفع نزاع کے ماہر اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں، وہ دیانت اور عدالت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، اور تصفیہ کے کام کو خدا کی رضا اور باہمی جھگڑوں کو مٹانے کے جذبہ سے کیا کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۳ کا :

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ آج دین کا مزاج اس کے برعکس ہو چکا ہے ظلم وتعدی اور گناہوں کے کاموں میں تو تعاون ملتا ہے مگر نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں کوئی تعاون دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا پھر سوچئے معاشرہ میں اچھائی کہاں سے آئے لوگوں کے اخلاق واعمال میں پاکیزگی کہاں سے پیدا ہو اور برائیوں کا قلع قمع ہونے کی کیا صورت کی جائے ایسے وقت میں ملت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے اپنے خالق ومالک کے بتائے راستوں پر عمل کرے، اس کی ربوبیت والوہیت کو کما حقہ تسلیم کرے، اس کی مرضیات پر عمل پیرا ہو، اس کی منہیات سے اجتناب کرے، اس کی مخلوق پر رحم کرے، اعزاء واقارب، رشتہ داروں و پڑوسیوں کا لحاظ کرے اور اپنے شعبہائے زندگی میں اسلامی تعلیمات کو معمول بنائے، صداقت وحقانیت، دیانت وامانت کو اپنی شب و روز کی زندگی کا شیوہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال و دولت زر و زمین سے مخلوق خدا غریبوں، مسکینوں، لاچاروں، مجبوروں اور بے بسوں و بے سہارا لوگوں کی مدد کرے غربت وافلاس اور تنگ دستی میں زندگی گذارنے والوں کا سہارا بنے کیونکہ معاشرہ کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ وہ مختلف افراد، کنبوں خاندانوں، قبیلوں اور قوموں سے تشکیل پاتا ہے اور اس کی اصلاح کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مصلحین معاشرہ کے افراد خود صالح ہوں اور معاشرہ و معاملات میں نمونہ ہوں اپنے طرز زندگی تہذیب وتمدن عادت واخلاق اور کلچر میں نمایاں ہوں اور بطور خاص علماء، دانشور اور دردمند حضرات جن کو خدا نے زبان وقلم کی موثر صلاحیتیں عطا کی ہیں، آگے آئیں اور مختلف طریقوں سے ان خرافات اور خرابیوں کو دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ اور ملت کے لئے تعلیمی، ترقی، سماجی، دعوتی اور عائلی قوانین کی طرف توجہ مبذول فرمائیں اور دنیا کی رعنائیوں اور رنگینیوں سے کنارہ کش ہو کر معاشرہ کے سدھار اور اس کی اصلاح کی فکر کریں، اسلامی تعلیمات کو پروان چڑھائیں اور نئی نسل کو گمراہیوں کے عمیق گڑھوں سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرہ کی اصلاح فرمائے، دین کا ماحول وایمان ویقین والی زندگی عطا فرمائے! آمین یا رب العالمین۔

مسلم معاشرہ کی حالتِ زار

مولانا محمد عبداللہ مغیثی
رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اسلام دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے، اس کی شریعت میں انسانی بشری صلاحیتوں اور کمزوریوں کا لحاظ رکھا گیا ہے شریعت اسلامی میں عبادات و معاملات، معاشرت، تہذیب وتمدن، صلح وتربیت، معاشیات و سیاسیات اور اخلاق وآداب تمام شعبوں سے متعلق اصول وضوابط اور ٹھوس احکامات مقرر کئے گئے ہیں، انسان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ شریعت اسلامی کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق عمل کرنے کے بعد اس میں دشواری یا خرابی پیدا ہو۔ محسن انسانیت حضرت رسول کریمؐ کی صالح زندگی کی رہنمائی کی تمام ضروری باتیں بنیادی ہیں۔ عبادات سے لے کر معاشرت اور بشری ضرورتوں تک کے بارے میں مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ اگر مسلمان شریعت اسلامی پر عمل کرے تو وہ خرابیاں اور پیچیدگیاں ظاہر نہ ہوں جو آج ہمارے معاشرے کے لئے پریشانیوں کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کا ماحول اور ان کے معاشرہ کی اصلاح کا مسئلہ بہت ناگزیر ہو گیا ہے، آج مسلمان طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہے فساد عقیدہ کے ساتھ اپنے اعمال واخلاق، نفاق وشقاق، افتراق وانتشار، کی گندگیوں میں بری طرح گھرا ہوا ہے اور اپنے ذاتی معاملات اور اپنی دلچسپی کے دائرہ میں اسراف وفضول خرچی، شہرت وعزت کے حصول اور رسم ورواج کا ایسا پابند ہو گیا ہے کہ بے دریغ اپنے خون پسینہ کی کمائی کو پانی کی طرح بہار ہا ہے اور اپنے پڑوسیوں اعزاء واقارب اور ملت کے دوسرے افراد کے فقر و فاقہ، اضطرار و اضطراب اور افسوس ناک حالات سے چشم پوشی کرتا جارہا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان شریعت اسلامی سے کس طرح منحرف ہوتا جارہا ہے ایک طرف تو یہ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی اور ان کی ناراضگی کا باعث ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان ہونا بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے اگر ہم اپنے معاشرہ کا اسلامی معاشرہ سے موازنہ کریں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

آج اسلامی معاشرہ کے مقابلہ میں مغربی کلچر وثقافت نے جگہ لے لی ہے جس کی بنیاد فضول خرچی، ظاہری ٹیپ ٹاپ، مادہ پرستی اور بے حیائی پر ہے اور مزید برآں سارا معاشرہ قتل وغارت گری، ہوس، خودکشی بنیادی حقوق کی پامالی ہے خانہ جنگی، سیاسی اجارہ داری، محنت کی بےقدری، رشوت ستانی، شرک، بت پرستی، ظلم وستم، استحصال واستیصال، مغربی تہذیب کا عفریت، مادہ پرستانہ طرز زندگی، جنسی بے راہ روی، منکرات وفواحش کی گرم بازاری، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پامالی اور مذہب سے بے راہ روی متعفن ہو چکا ہے۔ اور ایمان ویقین کی کمزوری منافقت اختلافات، انتشار، باہمی جنگ وجدال دین سے بےزاری، اتباع رسول میں کمی، آخرت سے لاابالی، اسلام سے عدم وابستگی، دینی تعلیمات سے انحراف مقصدِ حیات سے فراموشی، اخوت و الفت کی کمی، اور آپسی اتحاد و یگانگت کا فقدان جیسے مہلک مرضوں نے مسلمانوں میں ان گنت مسائل پیدا کر دئے ہیں اور شادی بیاہ کی رسومات فضول خرچی، شراب نوشی، قمار بازی اور لاٹری جیسے امراض تو پوری ملت کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے اور ۸۰/ فیصد مسلمان شرک، بدعات میں گرفتار ہیں، قسم قسم کے لہو ولعب ڈھول تاشے، قوالی، ہیجڑوں کے ناچ گانے اور کھلے عام بازاری طور پر عرسوں کے میلے، قبر پرستی، قبروں کا طواف، چراغ بتیاں جلانا، چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، بزرگوں اور اولیاء اللہ کی خوشنودی کے لئے بکرے، مرغ ذبح کرنا۔ گانجہ بھنگ اور منشیات کا استعمال، ہنسی مذاق اور خوش گپیوں کے بازار گرم کرنا، اور قسم قسم کی ان گنت خرافات آج ملت میں جنم لے چکی ہیں، قرآن پاک نے ان تمام خرافات کی مذمت کی ہے اور صالح معاشرہ کی نشاندہی کی ہے، جس میں صلح وآشتی، اخوت، محبت، مروّت رواداری اور فیاضی کی تعلیم ہے اور تکبر وغرور، عصبیت، جاہلیت، ظلم و

جو رحسد و کینہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ دن و رات کی زندگی پاک و صاف ہو، اشرف و غیر اشرف مذہب و نسل اور رنگ و روپ کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو نہ عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر تفوق و برتری حاصل ہے۔ یہاں تو وجہ فضیلت صرف تقویٰ اور خوف خدا ہے، ارشاد باری ہے: یا أیها الناس انا خلقنکم من ذکر و أنثي و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم (الحجرات) اے لوگو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد ایک عورت سے اور رکھی تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس میں پہچان ہو، تحقیق عزت اللہ کے نزدیک اسی کی بڑی ہے جس کو ادب بڑا ہوں۔

لہٰذا معاشرہ کو صالح بنانے کے لئے جہاں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے وہیں عام لوگوں سے تعلقات خوش گوار رکھنا بھی ناگزیر ہے اور اس میں حسن ادب کا دامن ہاتھ سے حتی المقدور نہ چھوٹے دراصل باہمی تعلقات سے ہی معاشرہ کا سدھار اور اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، قرآن پاک میں اس کی ہدایت دی گئی ہے ارشاد باری ہے ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْناً'' (بقرہ) اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح خوش خلقی سے کیا کرو اور اگر کسی وقت غصہ آجائے تو صبر و ضبط تحمل و تدبر سے کام لیا جائے اور حتی المقدور درگذر کیا جائے اور غصہ کی حالت میں خود کو قابو میں رکھ کر اپنے حواس باختہ نہ ہونے دیں اور غصہ کے گھونٹ کو پی لینا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے ارشاد باری ہے: ''وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' (آل عمران) اور وہ ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ ایسے نیک کاروں کو محبوب رکھتا ہے باہم نا چاقی اور پھوٹ کا اندیشہ ہو تو وہاں اخوت و محبت کی سعی کرنے چاہئے اور دو روٹھے ہوئے بھائیوں کو ملا دینا چاہئے، نہ ان کی عداوت کو بڑھا دینا اور نہ ایک دوسرے کو برانگیختہ کرنا اور نہ دونوں کے بیچ میں خلیج پیدا کرنا، ارشاد باری ہے ''لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ نجواهم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بين الناس'' (النساء) کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہے صدقہ کرنے کو، یا نیک کام کو یا صلح کرنے کو اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، چال چلن اور عام رہن سہن میں غرور اور نخوت کا شائبہ بھی نہ ہونے دے، مذہب اسلام ایسے دانشمندانہ انداز فکر کو ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہیں کرتا بلکہ صراحتاً اس کی مذمت کرتا ہے، ارشاد باری ہے: ''وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهاً'' (بنی اسرائیل) اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا، تو ہرگز پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہونچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری ناپ تول جس سے دن رات عوام و خواص کو واسطہ پڑتا ہے اس بارے میں قرآن پاک صاف صاف ہدایت دیتا ہے ارشاد باری ہے: ''وَ اَوْفُوْا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَ اَحْسَنُ تَاوِيْلاً'' (بنی اسرائیل) ''اور پورا بھر دو ناپ جب ناپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا اس کا انجام''۔ آج کون نہیں جانتا کہ فواحش اور برائیوں کا طوفان ہے اور طوفان سیلاب کی طرح تیزی سے پھیل کر پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے آج پوری دنیا میں فساد کی گرم بازاری اس لئے ہے کہ حکمراں طبقے اپنے فرائض ادا کرنے میں حد درجہ کوتاہ ہیں قرآن پاک نے اس طبقے کو واضح ہدایات دی ہیں ارشاد باری ہے ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعاً عَلِيْماً'' (النساء) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے اللہ تعالیٰ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بے شک اللہ تعالیٰ ہے سننے والا دیکھنے والا۔ اور مثال مشہور ہے ''الناس علی دین ملوکھم'' رعایا اور پبلک اپنے حکمرانوں کے نقش قدم پر ہوتی ہے، ان میں انصاف ہوتا ہے تو یہ بھی انصاف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ان کے اعمال و اخلاق اچھے ہوتے ہیں تو پبلک میں بھی مکارم اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور جب ان میں برائی آجاتی ہے تو پبلک بھی اس راستہ پر چل پڑتی ہے معاشرہ کو فساد سے بچانے کے لئے قرآن اس طرح اعلان کرتا ہے: ''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ'' (المائدہ)

بقیہ صفحہ ۱۱ پر :

مسلمان زوال کی طرف کیوں

مولانا غلام محمد وستانوی
رکن بورڈ

آج ہم ہندوستانی مسلمانوں کے زوال کی طرف سے فکر مند ہیں، اس کے اسباب اور تدارک پر وقتاً فوقتاً انفرادی اور اجتماعی طور پر مختلف زاویوں اور پہلوؤں سے غور وخوض بھی ہوتا رہتا ہے، مختلف اور باوزن تجاویز پاس ہو کر الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں شائع بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مگر بات وہی ہے:

زباں کی بزم میں گلباریوں سے کیا حاصل
عمل کی راہ میں گرد و غبار پیدا کر

آج ترقی کے اس برق رفتار دور میں وہی قوم اقوام عالم کے شانہ بشانہ کامیابیوں کی منزلیں طے کر سکتی ہے، جو علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی کسی سے پیچھے نہ ہو۔ ایسی قوم! جس کے جیالے ایک طرف بہترین عالم، مفسر، محدث، مجود اور فقیہ ہوں وہیں دوسری طرف بہترین سائنسداں، ڈاکٹر، انجینئر اور دیگر علوم وفنون عصریہ کے حامل ہوں۔

ہماری پسماندگی کی واحد وجہ یہی ہے کے ہم نے اپنے نونہالوں کو ان دونوں علوم سے دور رکھا، ان کے پڑھنے لکھنے، بننے سنورنے کے زمانہ میں چند سکوں کی لالچ میں ہوٹلوں، باورچی خانوں اور مختلف کاروباروں میں لگا دیا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ ہندوستانی تعلیمی سروے کے اعتبار سے سب سے پسماندہ قوم مسلمان ہے۔ جبکہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کا پہلا سبق اس کے ماننے والوں کو یہ ہے:

اقرأ باسم ربک الذی خلق (پڑھ اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) خالق ومالک کا سب سے پہلا حکم اپنی مخلوق کو تعلیم کا ہی ہے۔ اور خود ہمارے رسول عربی (ﷺ) کا یہ فرمان کے علم کا حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔ فرمان خداوندی اور ارشاد رسول ﷺ سے اعراض کے سبب ہمارا دنیوی خسارہ ہماری اپنی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور اخروی نقصان بعد الموت ہی معلوم ہوگا۔

خوب اچھی طرح جان لو کہ علم روشنی ہے، جہل تاریکی ہے، علم کامیابی اور جہل ناکامی ہے، علم انسانیت ہے اور جہل حیوانیت ہے علم آسمان کی بلندیاں ہے اور جہل زمیں کی پستیاں ہے۔ علم سرخروئیاں ہے جہل رسوائیاں ہے۔ علم عزتیں ہے، جہل ذلتیں۔ کسی نے کیا خوب کہا:

علم کے حصول میں جسم وجاں مٹائے جا جہل بےشعور کو علم سے گھٹائے جا
علم زندگی کا پھول، جہل خاک اور دھول میرا یہ سخن نہ بھول، پھول کو کھلائے جا

علم سے ترقیاں، سروری بلندیاں
جہل سے ہیں پستیاں، پستیاں مٹائے جا

کسی حکیم کا قول ہے: لو لا العلم لصار الناس کالبھائم (اگر علم وآگہی ومعرفت نہ ہوتی تو لوگ حیوانوں اور درندوں کی مانند ہوتے۔ اور یہ کہ: "حاجۃ الناس الی العلم اکثر من حاجتھم الی الطعام و الشراب" (لوگوں کو علم کی ضرورت کھانے، پینے کی ضرورت سے زیادہ ہے) اور روئے زمین پر علم اور علماء کی مثال ستاروں کی مانند ہے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی سمت اور منزلیں درست کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے علم میں ترقی کی انہوں نے دنیا کو مسخر کرلیا۔ جیسے ہی انہوں نے بےمہری برتی اور اقبال مندی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

آیئے! آج ہم عہد کریں کہ: ہم اپنے معاشرہ کے ہر فرد کو زیور علم سے آراستہ کریں گے۔

ایک ایسے معاشرہ کو تشکیل دیں گے جس کی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی محبت ہو۔

ایک ایسے معاشرہ کو وجود بخشیں گے جس میں قرآن وحدیث پر عمل کا جذبہ ہو۔

ایک ایسا معاشرہ جو دنیا میں ترقی کا ولولہ اور آخرت میں کامیابی کا شوق رکھتا ہو۔

ایک ایسا معاشرہ جو یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم سے سرشار ہو۔

فضول خرچی

قاضی عبدالاحد ازہری

رکن اساسی بورڈ، مالیگاؤں

اسلام دین فطرت ہے، اس کے نظام فطرت میں کائنات انسانی کے تمام گوشوں اور زندگانی کے تمام شعبوں کے لئے نہایت عادلانہ قانون موجود ہے۔ جو ایک انسان کے لئے ابدی نجات اور لازوال سعادت کا متکفل ہے۔ مال و دولت اور ثروت حیات انسانی کے بقاء و استحکام اور اس کے نظم و انصرام میں غیر معمولی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام کے نظام معاشی میں اسے نظر انداز کر دیا جاتا، چنانچہ یہاں نہ صرف اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا بلکہ اس کو ایک بیش بہا عطیہ خداوندی قرار دے کر اس کے فضل و مرتبہ کو بلند سے بلندتر کر دیا گیا ہے۔

''مال'' کو خالق کائنات نے سبب گذران اور سامان معیشت سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ مال سامان معیشت اور مایۂ زندگانی ہے، اسی لئے خدائے تعالیٰ نے اسلام کے معاشی نظام میں معیشت و اقتصاد کے فطری اصولوں کی رہنمائی فرمائی، تاکہ فرد اور جماعت بے اصولی اور بے راہ روی اختیار کر کے انسان کی زندگی کو برباد اور سماج اور سوسائٹی کے نظام کو درہم برہم کرنے کا سبب نہ بنیں۔

دراصل اسلام اپنے سایۂ رحمت میں پناہ لینے والے ہر فرد انسانی کے لئے وہ اسباب و وسائل فراوانی کے ساتھ فراہم کرنا چاہتا ہے جن کے ذریعے اس کی زندگی مرفہ الحالی اور فارغ البالی سے بسر ہو، چنانچہ جہاں وہ کسب حلال کی تلقین کرتا ہے اسے حق تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ انبیاء و رسل کی مقدس سنت قرار دیتا ہے، تجارت اور سوداگری کے جائز اور حلال راستوں کی نشاندہی کرتا ہے، جمع و کنز مال کی ترغیب اس بناء پر دیتا ہے کہ بوقت ضرورت دست طلب دراز نہ کرنا پڑے۔

اسی طرح جہاں وہ اکتناز (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو خزانہ کرنا) و احتکار (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) کو حرام اور مردود قرار دیتا ہے، وہیں وہ مال کو صرف اور خرچ کرنے کے لئے جائز مصارف خیر کی نشاندہی بھی فراخ دلی کے ساتھ کرتا ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں تحریر کیا گیا کہ مال ایک انسان کی زندگی کے لئے لابدی ہے، انعدام مال کی صورت میں زندگی منتشر اور پراگندہ ہو جاتی ہے، اس لئے اسلام کی مقدس تعلیم ہے کہ جائز مصارف خیر کے علاوہ مال کو کہیں اور نہ خرچ کیا جائے، جائز مصارف خیر کو چھوڑ کر ناحق طور پر جو بھی مال خرچ کیا جاتا ہے اسے اسلام کی نظر میں اسراف اور تبذیر سے تعبیر کیا جاتا ہے—اسراف اور تبذیر، جسے ہم اپنی زبان میں فضول خرچی سے تعبیر کرتے ہیں، نہ صرف یہ کہ ایک فرد کو ہلاکت اور بربادی تک پہنچاتے ہیں، بلکہ پورے سماج کو گھن کی طرح شکستہ اور کمزور بنا دیتے ہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن عزیز نے جگہ جگہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ کے ذریعہ ان دونوں خصلتوں کے عیوب اور ان کی برائیاں دلنشیں انداز میں بیان فرمائی ہیں۔

یہ دونوں عیب کس قدر ہلاکت خیز اور خطرناک ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج ہوئی اور خالق ارض و سماء

نے اپنے محبوب کو بذات خود اپنے دربار میں بلا کر اپنی ذات کے مشاہدے اور دیدار سے ہمکنار و مشرف فرمایا، اور اس موقعہ پر ۱۴/ نکات پر مشتمل دستور العمل مرحمت فرمایا، جسے معراج رسول علیہ السلام کا بندگانِ خدا کے واسطے چودہ عظیم تحفے بھی کہا جا سکتا ہے، معراج کی ان چودہ تعلیمات میں یہ تعلیم بھی موجود ہے کہ:

وَلا تُبَذِّر تَبْذِیراً، اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوانَ الشَّیَاطِیْنَ.

اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو بے شبہ (اخراجات میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فوائد القرآن میں ''تبذیر'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے''۔

معلوم ہوا کہ گناہ کے کاموں اور لغو و بے فائدہ امور میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے چاہے اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ وہ فضول خرچی کے ضمن میں آتا ہے، حق کے معاملات اور جائز مواقع صرف میں اگر آدمی اپنی ساری دولت بھی لگا دے تو اسے فضول خرچی نہیں کہیں گے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر قرآن حضرت مجاہدؒ کا یہ قول ہمیں ملتا ہے کہ:

''اگر ایک شخص نے ''حق کی خاطر'' سب کچھ خرچ کر ڈالا تو یہ ''اسراف'' نہیں ہے، اور اگر اپنا تھوڑا مال بھی ناحق صرف کر دیا تو یہ ''تبذیر'' (فضول خرچی) ہے''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مال اور دولت کے خرچ میں ایک انسان بالخصوص ایک مسلمان کو اعتدال و میانہ روی کو نصب العین بنانا چاہئے، اسراف اور تبذیر کی قابلِ نفرت ملعون خصلت سے اپنے کو ہر ممکن طور پر بچانے کے لئے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے، عام حالات میں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر ضرورت پڑنے پر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو، بلکہ حتی الامکان اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کی ہیں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجات اور ضروریات کے لئے کچھ پس انداز ہو، نیز یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ بخل اور تقتیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے عطاء الٰہی کے باوجود معیشت کو تنگ کر دے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ

(آمد و صرف) میں میانہ روی معاشی زندگی کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔

اسراف اور تبذیر کی لعنتوں سے بچا کر اسلام نے جو ایک صالح معاشی نظام برپا فرمایا تھا، افسوس صد افسوس کہ اس کی خوبی خود اسلام کے نام لیواؤں اور اس کے شیدائیوں سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور وہ بھی رائج الوقت معاشی نظاموں کے چکر میں اچھا کھانے اور اچھا پہننے کے پیچھے آمدنی اور خرچ کے توازن کو کھو بیٹھے ہیں، اور گوناں گوں مصائب میں گھر گئے، رائج الوقت معاشی نظام انسان کو سعادت سے ہمکنار کیا کرتے، انہوں نے تو اور زیادہ اس کو قابلِ رحم اور اس کی زندگی کو اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کو بروئے کار لانے کیساتھ ساتھ فضول خرچی کی لعنت سے کنارہ کش رہیں، تاکہ غیروں کو اسلام کے معاشی نظام کو دیکھنے اور اس کے سمجھنے کا بیش بہا موقع ملے، اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں صرف اپنے آمد و خرچ کے توازن کو ٹھیک کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام انفرادی و اجتماعی مصائب کا حل خود بخود نکل آئے گا، مگر مصیبت تو یہ ہے کہ مسلمان خوابِ خرگوش میں ایسے محو ہیں کہ کوئی نصیحت کارگر ہو رہی ہے اور نہ ہی کوئی نصیحت اثر انداز ہو رہی ہے۔

فالی اللہ المشتکی.

پڑوسیوں کے حقوق

اعجاز احمد قاسمی
جامعہ عربیہ اشرف العلوم سیتامڑھی، بہار

’’اور بندگی کرو اللہ کی، اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ، اور غلام باندیوں کے ساتھ، بے شک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا اور بڑائی کرنے والا‘‘۔(ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند)۔(پ-۵)

انسان جب اس کائنات میں آنکھیں کھولتا ہے اور تعلقات و روابط کی اس وسیع و عریض دنیا میں قدم آگے بڑھاتا ہے ماں باپ، بیوی بچے اور رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل سابقہ و واسطہ اپنے ان پڑوسیوں اور ہمسایوں سے بھی پڑتا رہتا ہے، جن کے معاملات کی خوشگواری وناخوشگواری اور ان کے اچھے اور برے رویوں کو انسان کی زندگی کے چین و سکون اور اس کے اخلاق و کردار کے بناؤ و بگاڑ میں بہت کچھ دخل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمسائیگی و پڑوس کے اس تعلق کو اپنی تعلیمات میں بہت زیادہ عظمت بخشی ہے اور اس کے حقوق کے احترام و رعایت کی سخت تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کو ایمان کا لازمی جزء، جنت میں داخلہ کی شرط اور اپنی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اسلام نے جو تعلیمات و ہدایات دی ہیں اگر آج ہم مسلمان انہیں گلے سے لگالیں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے ماحول و معاشرے سے بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں، ہمیں جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت مل جائے، امن و چین و سکون کی ایک فضاء قائم ہو جائے اور ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی سے کوئی شکوہ و گلہ نہ رہ جائے۔ مگر افسوس اس بے حسی و غفلت پر کہ آج ہم ان روشن تعلیمات سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کو جانیں اور اس کی روشنی میں اپنے اخلاق و اعمال کا جائزہ لے کر اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کا عزم کریں۔

آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ: خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں! عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ’’مَنْ لَا يَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ‘‘ (بخاری شریف ج۲ص۸۸۹) ایسا آدمی جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں، ایک دوسرے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ لَا يَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ‘‘ (مسلم شریف، مشکوٰۃ ص۴۲۲) ایسا شخص جنت میں نہیں جا سکتا جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی مامون و محفوظ نہ ہوں۔ ذرا غور کیجئے! آقا ﷺ کے ان ارشادات پر کہ آپ کے نزدیک پڑوسیوں کے ساتھ بہتر معاملات اور اچھے رویّوں کا کیا مقام تھا؟ ایک پڑوسی اگر اپنی غلط حرکت سے دوسرے پڑوسیوں کا دل دکھاتا ہے تو انسانیت کا سب سے بڑا ہمدرد و غمگسار تڑپ اٹھتا ہے ع

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ

اور بے چین و مضطرب ہو کر اس کوتاہی کرنے والے پڑوسی کو غصہ و جلال سے بھرے ہوئے الفاظ میں یوں خطاب کرتا ہے کہ واللہ تم مومن نہیں ہو سکتے، واللہ تم مسلمان نہیں ہو سکتے، تم ایمان والے اور جنت میں جانے والے نہیں ہو سکتے!

ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہئے اور اپنے اخلاق و برتاؤ کا محاسبہ کرنا

چاہئے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے پڑوسیوں کے حقوق کا کتنا خیال رکھتے ہیں اور انہیں اپنی ایذا رسانیوں سے بچانے کی کتنی فکر کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ہم سے اس بارے میں بڑی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں، ہماری زبان ہمارے اخلاق و کردار اور ہمارے غلط رویوں سے بہت سے پڑوسیوں کے دل مجروح ہوتے رہتے ہیں اور انہیں ایذائیں پہونچتی رہتی ہیں۔

ایذا رسانی بہت بڑا گناہ ہے، اس کا وبال بھی بہت سخت ہے کیونکہ یہ بندہ کے حق میں کوتاہی ہے۔ اللہ بے نیاز اور غفور الرحیم ہے اپنے حقوق میں کی جانے والی کوتاہیوں کو درگذر کر سکتا ہے مگر بندہ کا معاملہ بندہ کے سپرد ہے اس لئے اس سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہئے، بخاری شریف میں آپ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے کہ جس کسی نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہو، اس کی آبروریزی کی ہو، یا کسی اور معاملے میں اس کی حق تلفی کی ہو تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس معاملہ کو صاف کر لے، اس دن کے آنے سے پہلے جبکہ اس کے پاس حق ادا کرنے کے لئے درہم و دینار اور روپیہ و پیسہ کچھ بھی نہ ہوگا اور اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دئے جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس کے اوپر لاد دئے جائیں گے، گویا اس طرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائیگا (بخاری شریف ج ۱/ ۳۳۱)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہؐ فلانی عورت کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے نماز پڑھتی ہے روزے رکھتی ہے نفلی صدقات و خیرات کرتی ہے، مگر اپنی زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی بھی رہتی ہے انہیں ایذائیں بھی پہونچاتی رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "فھی فی النار" یہ عورت جہنمی ہے اور اس نے ایک ایسی عورت کا بھی تذکرہ کیا جو نماز کم پڑھتی تھی، روزے کم رکھتی تھی، صدقے خیرات بہت معمولی کیا کرتی تھی، مگر پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہیں پہونچاتی تھی، آپ نے فرمایا کہ "فھی فی الجنۃ" تو یہ جنت میں جائیگی (احمد و بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۲۵، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل)۔

ہمارے ماحول میں ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو عبادت گذار، شب بیدار اور تہجد و نوافل کے پابند ہوتے ہیں مگر پڑوسیوں کے حقوق کا احترام ان کی زندگی میں کم دیکھا جاتا ہے وہ تہجد و نوافل کو تو عبادت سمجھتے ہیں مگر پڑوسیوں کی نصرت و مدد اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کو دین نہیں سمجھتے یا کم از کم تہجد و نوافل کے برابر نہیں سمجھتے۔ یہ تصور غلط ہے اور یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہے پڑوسیوں کے حقوق کا احترام فرض ہے ان کو ایذائیں پہونچانا حرام ہے ان کی عزت و آبرو کی حفاظت فرض ہے اور بوقت ضرورت ان کی نصرت و مدد لازم ہے۔ تہجد و نوافل اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے کتنی ہی فضیلت و اہمیت کی حامل کیوں نہ ہوں مگر پڑوسیوں کے حقوق کی برابری و ہمسری نہیں کر سکتیں کہ فرض و واجب کا مقام و مرتبہ سنت و مستحب سے بہت بڑھا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عورت جو نفلی عبادات، نماز، روزہ، صدقہ و خیرات بکثرت کیا کرتی تھی مگر پڑوسیوں کو ایذائیں بھی پہونچاتی تھی جہنم کی مستحق قرار دی گئی اور وہ عورت جو نفلی عبادات میں زیادہ پیش پیش نہیں تھی مگر اپنے پڑوسی کے حق کو ادا کرنے والی تھی جنت کی حقدار قرار دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا مزاج مختلف بنا رکھا ہے بعض میں تندی و سختی غالب ہوتی ہے بعض رقیق القلب اور نرم مزاج ہوتے ہیں، بعض بہت جلد مشتعل ہو جانے والے اور بعض بہت زیادہ صبر و ضبط کر جانے والے۔ ہمارے پڑوسی بھی اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں۔ ہمارا دن رات کا ان سے سابقہ رہتا ہے روزمرہ کی زندگی میں صبح و شام ان سے واسطہ پڑتا ہے اور طرح طرح کے معاملات اور سرد گرم حالات ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، اگر ہم ان کی فروگذاشتوں اور معمولی معمولی باتوں پر گرفت شروع کردیں اور اس سے صرف نظر نہ کریں تو باہمی شکررنجی کے نتیجے میں ہمارا سب چین و سکون غارت ہو کر رہ جائے اور ہمارے دینی و دنیوی مصالح میں شدید خلل واقع ہونے لگے۔ اس لئے پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جہاں پڑوسیوں کے حقوق میں کوتاہی کرنے والوں اور انہیں ایذائیں پہنچانے والوں کو سخت سے سخت تہدید آمیز الفاظ میں خطاب فرما کر پڑوسیوں کے حقوق کے احترام و رعایت اور عام معاملات زندگی میں حسن سلوک کی تاکید و ترغیب فرمائی ہے وہیں مظلوم پڑوسی کو بھی صبر و ضبط اور تحمل و برداشت کی ہدایت فرمائی ہے اور بے صبری و بزدلی کے مظاہرے سے روکا ہے تاکہ ہمارا ماحول سازگار و خوشگوار بنا

رہے، چین وسکون کی فضا قائم رہے، اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں اور دینی و دنیوی مصالح میں آزاد و یکسو ہو کر مصروف رہیں۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ بھی ہے کہ عہد رسالت میں ایک شخص نے اپنے ظالم پڑوسی کی تین دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ! فلاں پڑوسی نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے وہ ہر وقت ہمارے پیچھے پڑا رہتا ہے اور کسی طرح ہماری ایذا رسانی سے باز نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے تینوں بار صبر وتحمل اور برداشت کرنے کی ہدایت فرمائی وہ لوٹ آئے مگر ایک عرصہ کے بعد چوتھی دفعہ پھر اپنے اس ظالم پڑوسی کی شکایت لے کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا: "اِطْرَحْ مَتَاعَکَ فِي الطَّرِيْقِ" (مسند احمد وابن حبان، فرامین رسول ص ۴۸۰ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب)۔ کہ اپنے گھر کا ساز و سامان عام گذرگاہ پر ڈال دو اور خود بھی اہل وعیال سمیت سڑک پر نکل آؤ اور گذرتا ہوا جو کوئی حال دریافت کرے تو کہہ دینا کہ پڑوسی کی اذیت رسانی سے تنگ آکر ہم گھر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا، گھر کا سامان بھی نکال کر سڑک پر ڈال دیا اور خود بھی سڑک پر نکل آئے جو بھی ادھر سے گذرتا اور اس کا حال دریافت کرتا وہ اس سے کہہ دیتے کہ فلاں شخص نے ہمیں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا ہے جو شخص بھی اس افسوسناک واقعہ کو سنتا اس پڑوسی پر لعنت وملامت کرتا جب اس لعنت وملامت کی خبر اس ظالم پڑوسی کو ہوئی تو خود ہی شرمندہ ہوا اور سڑک پر آکر معذرت کی اور خوشامد و برآمد کر کے اپنے پڑوسی کو گھر لایا اور آئندہ کے لئے اس سے وعدہ کیا کہ اب تمہیں کبھی نہیں ستاؤں گا۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم پڑوسی کو کوئی جوابی کارروائی کرنے سے باربار منع کیا اور صبر و برداشت کرنے کی ہدایت کرتے رہے جب متعدد بار کے برتاؤ سے محسوس ہوا کہ پڑوسی میں شرارت غالب ہے، اس کی اصلاح نرم برتاؤ اور صبرو ضبط سے مشکل ہے تو آپؐ نے ایک عاقلانہ مشورہ دیا جس سے روز روز کی کلفت و پریشانی کا خاتمہ ہوا۔

اب تک جو باتیں تحریر کی گئیں ہیں وہ صرف پڑوسیوں کے ساتھ عام معاملات زندگی میں حسن سلوک اور ان کو ایذا رسانی سے بچانے کی جامع تعلیم کا بیان تھا مگر ان کے اور بھی بہت سے متعین حقوق ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا ہے، حضرت معاویہ بن حَیدَہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا پڑوسی جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت وخبر گیری کرو، جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، جب وہ اپنی ضرورت کے لئے قرض مانگے تو بشرطِ استطاعت اسے قرض دو، اور جب وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو، جب اسے کوئی نعمت حاصل ہو تو اسے مبارکباد دو، اور جب کوئی مصیبت پہونچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے، اور جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے باعث ایذاء نہ ہو، الا یہ کہ کچھ تھوڑا کھانا اس کے گھر بھی بھیج دو۔ (معجم کبیر طبرانی معارف الحدیث ج ۶، ص ۹۶، ۹۷)۔

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے پڑوسیوں کے آٹھ حقوق بیان کئے ہیں، ان میں سے تین کی طرف اس وقت میں آپ لوگوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، پہلا یہ کہ اگر تمہارا پڑوسی کوئی برا کام کر بیٹھے، اس سے کوئی گناہ کا کام سرزد ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اس کے عیب پر پردہ ڈال دو، کہیں اس کا تذکرہ نہ کرو، آج کے معاشرے میں ہماری نظر پڑوسیوں کے عیوب پر تو ہوتی ہے مگر ان کی خوبیوں اور اچھائیوں پر نہیں جاتی۔ ایک پڑوسی میں لاکھوں خوبیاں ہوں مگر ہم انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں اور اگر اتفاقاً اس کے کسی عیب پر ہماری نظر پڑ جائے تو ہم شور مچانے لگتے ہیں اور ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں خواہ ہم میں کتنی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں سچ ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا، ہر انسان کی نظر دوسروں کے عیوب پر رہتی ہے، اور اپنی خوبیوں پر، حق تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ "گنہ بیند وی پوشد" اور مخلوق کا حال یہ ہے کہ "نمی بیند وی خروشد" حق تعالیٰ جانتے کے باوجود بھی گناہوں پر پردہ ڈالتے رہتے ہیں اور مخلوق بے دیکھے شور مچاتی رہتی ہے"۔

لوگوں کے گناہوں اور عیوب پر پردہ ڈال دینا بہت بڑا کار ثواب ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً فِي الدُّنْيَا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة" (مسلم شریف اربعین للنووی ۹۳) کہ اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کا کوئی عیب اس دنیا میں چھپادیا، اس پر پردہ ڈال دیا تو حق تعالیٰ اس کے عوض میں دنیا میں بھی اس کے عیب پر پردہ ڈال دیں گے اور

آخرت میں بھی، کاش کہ ہمیں اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی۔

پڑوسی کا عیب ظاہر کرنے میں اس کی حق تلفی کے علاوہ دوسرے نقصانات ومفاسد کا بھی خطرہ ہے، فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہے بلکہ بسا اوقات اسی بنیاد پر باہمی میل جول کے بجائے اختلاف وانتشار ہو جایا کرتا ہے اس لئے ہم سبھوں کو اس قسم کی حرکتوں سے بہت زیادہ بچتے رہنا چاہئے۔ اس حدیث پڑوسی کا دوسرا حق یہ بیان کیا گیا کہ گھر کی دیوار اٹھانے میں اس کا خیال رکھا جائے کہ دیواریں اتنی اونچی نہ ہو جائیں کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا رک جائے اور اس کو تکلیف پہونچنے لگے۔ تیسرا حق یہ بیان کیا گیا کہ گھر میں عمدہ ومرغوب کھانا پکایا جائے، مرغ پلاؤ بنایا جائے تو دو باتوں میں سے ایک کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ یا تو کھانا اس طرح بنایا جائے کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر نہ جائے کہ اس سے اس کے اور اس کے بال بچوں کے دل میں ایک خاص قسم کی لالچ وحرص پیدا ہوگی جو اس کے لئے باعث اذیت ہوگی یا پھر اس کا اہتمام ہو کہ اس کھانے میں سے کچھ تھوڑا پڑوسی کے گھر بھی بھیج دیا جائے۔ غور فرمایئے! آج ہمارا آپ کا کیا حال ہے؟ گھر کی تعمیر میں پڑوسیوں کا کون خیال رکھتا ہے، ہر ایک کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اونچی سے اونچی بلڈنگیں بنانے میں اپنے پڑوسی سے سبقت لے جائے خواہ اس کے گھر کی ہوا ہی رک جائے اور اسے کتنی ہی تکلیف واذیت پہونچے۔ ہمیں تو اپنے آرام وراحت سے مطلب پڑوسیوں کی راحت رسانی سے کیا غرض نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر غور فرمایئے کہ آپ نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کی ہے۔ اگر گھر میں عمدہ ومرغوب کھانا پکایا جائے تو تاکید ہے کہ پڑوسیوں اور ان کے بچوں کا بھی خیال رکھو کہ کہیں تمہارے مزیدار کھانوں کی خوشبوئیں ان کے لئے اذیت کا سبب نہ بنیں۔ آج کتنے لوگ ہیں جو ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں، ہمارا حال تو یہ ہے کہ مزے لے لے کر مرغ پلاؤ، قورمہ و بریانی اڑاتے رہتے ہیں اور ہمارا پڑوسی بغل میں بھوکا پڑا رہتا ہے کتنے ہی نادار اور بیوہ ویتیم بھوک سے کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کی طرف ذرا بھی التفات نہیں ہوتا، جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ "لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَ جَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ" (شعب الایمان، مشکوٰۃ ص ۴۲۵) وہ مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھالے اور بغل میں اس کے پڑوسی بھوکے رہ جائیں، حضرت ابوذر غفاریؓ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ "یَا اَبَا ذَرٍ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَۃً فَاَکْثِرْ مَائَھَا وَ تَعَاھَدْ جِیْرَانَکَ" (مسلم شریف ج ۲/ ص ۳۲۹)۔ جب بھی گوشت پکانا ہو تو اس میں پانی زیادہ ڈالا کرو اور اپنے ہمسایوں کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ صرف مسلم پڑوسیوں کے حقوق ہیں نہیں نہیں بلکہ غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی یہی حقوق ہیں۔ اسلام نے ان حقوق میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہیں رکھا ہے، حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر بکری ذبح ہوئی تو اپنے غلام سے فرمانے لگے "اَھْدَیْتَ لِجَارِنَا الْیَھُوْدِیْ؟ اَھْدَیْتَ لِجَارِنَا الْیَھُوْدِیْ؟ سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما زال جِبْرَئِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ" (روح المعانی الجزء الخامس ج ۵ ص ۴۸) کیا تونے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ پیش کیا؟ کیا تونے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ پیش کیا؟ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل امینؑ ہمیشہ خدا کی طرف سے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں تاکیدی احکام لاتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مال میں پڑوسیوں کو وارث قرار دے دیں گے۔

پڑوسی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنا ہو یا پرایا ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا فرض ہے، اس لئے ہماری پوری کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ ہم پڑوسیوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھیں اور مصیبت میں ان کا ہاتھ بٹائیں اور اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کی بھرپور کوشش ہو کہ ہماری ذات سے ہرگز ان کو کوئی تکلیف نہ پہونچے

مباش درپے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ہماری شریعت میں ایذا رسانی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمیں سب کے حقوق کو اور خاص طور سے اپنے پڑوسیوں کے حقوق کو ادا کرنے کی ہمت وتوفیق بخشے۔ آمین!!

لاٹری اور جوا

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوہ لعلکم تفلحون، انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوۃ فھل انتم منتھون'' (مائدہ۹۰،۹۱)۔

آج میں معاشرہ کی ایک ایسی برائی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مبتلا ہے اور اس برائی نے بڑے بڑے زمینداروں اور رئیسوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے جس کا نام لاٹری اور جوا ہے۔

جوا گناہ کبیرہ ہے اس سے حاصل کی ہوئی چیز حرام ہے، جواری کی دعا قبول نہیں ہوتی، حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ہریرۃؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا، وان اللہ أمر المومنین بما أمر بہ المرسلین' فقال 'یا ایھاالذین آمنوا کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا'' وقال تعالی: ''یا أیھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم''، ثم ذکر الرجل یطیل السفر أشعث أغبر یمد یدیہ إلی السماء یا رب یا رب و مطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام و غذي بالحرام فأنی یستجاب لذلک'' (مسلم شریف)۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا جو رسولوں کو دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: اے پیغمبرو! حلال مال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، وہ پاکیزہ رزق کھاؤ، جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے حج کو جاتا ہے پراگندہ حال اور غبار آلود ہوا، دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے، اور کہتا ہے: اے میرے رب مجھ کو یہ دے دے، اے میرے رب مجھ کو وہ دیدے، حالانکہ کھانا اس کا حرام ہے، اور پیا اس کا حرام ہے، اور پوشاک اس کی حرام ہے اور غذا اس کی مال حرام سے ہے، تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

حلال اور محنت کی کمائی میں جو انوار ہیں وہ حرام کے قمۂ تر میں نہیں ہیں: حدیث شریف میں ہے''عن المقداد بن معدیکربؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: ما أکل أحدٌ طعاماً قط خیرا من أن یاکل من عمل یدیہ، و ان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ'' (بخاری شریف)۔

حضرت مقداد بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ قرآن حکیم میں ہے: ''لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، جوا اور لاٹری کے شائقین اس آیت کریمہ کو غور سے پڑھیں، پھر خود فیصلہ کریں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''من قال لصاحبہ: تعال أقامرک فلیتصدق ''جس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ جوا کھیلیں تو صرف اتنا کہنے پر واجب ہے کہ وہ صدقہ کرے۔

پناہ! بخدا جب صرف جوے کا لفظ بولنے پر صدقہ لازم آتا ہے تو جوا کھیلنے کا کیا حکم ہوگا؟

بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مثل الذی یلعب بالنرد ثم یقوم یصلی مثل الذی یتوضأ بالقیح و دم الخنزیر ثم یقوم فیصلی ''جو آدمی نرد (ایک قسم کا جوا) کھیلتا ہے، پھر اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے پھر اٹھ کر نماز پڑھے۔

جوے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا، ہندوستان کی قدیم ترین تاریخ قصۂ مہا بھارت سے ظاہر ہو رہا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج مہذب سماج پر بھی یہ بلا بری طرح مسلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جوا حرام اور ناپاک کمائی ہے، اس لئے کہ یہ لوگوں سے ان کے مال کو اچک لیتا ہے، اس کی بنیاد جہالت، حرص، آرزوئے باطل اور فریب دہی کی پیروی پر ہے یہی چیزیں جواری کو باطل شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں تمدن و ترقی اور ایک دوسرے کے تعاون میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے، ہارا ہوا جواری اگر خاموش رہتا ہے تو اندرونی غیظ و غضب اور محرومی کے جذبات کو سینہ میں دبا کر خاموش رہتا ہے، اگر لڑتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس چیز پر لڑ رہا ہے جس کا اس نے اپنے قصد و ارادے سے ارتکاب کیا ہے۔ اور جیتے ہوئے کو جو لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے وہ اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، بلکہ اس سے بڑے جوے کی دعوت دیتا ہے، اس کی حرص اس کو اس سے باز نہیں آنے دیتی، اور کچھ عرصے کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ کایا پلٹ جاتی ہے، یعنی جیتا ہوا ہار جاتا ہے، جوے کی عادت اموال کو تباہ کرتی ہے بڑے بڑے جھگڑوں کو جنم دیتی ہے، مطلوبہ منافع کو ضائع کرتی ہے اور ایک دوسرے کا تعاون جس پر تمدن کی بنیاد ہے اس کی دشمن ہے، اس کو ختم کر دیتی ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت خود مشاہدہ ہے۔ کیا آپ نے جواریوں میں ان چیزوں کے سوا دوسری چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے؟

جوا کاہلی کی دعوت دیتا ہے حرام خوری کا عادی بناتا ہے جوا مال حاصل کرنے کا غیر فطری، غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقہ ہے، جو ارحم دلی کے بجائے سنگدلی پیدا کرتا ہے، جوا تمدن و روحانیت کا دشمن ہے، شریعت نے زکوۃ کو فرض قرار دے کر اور نفلی صدقات کی دعوت دے کر محتاجوں کو غنی بنانے کی کوشش کی، جوا اس کے برعکس اغنیاء کو محتاج بنانے کا شیطانی عمل ہے، جوے کی کمائی سے جو خون بنتا ہے اس کی عالی ظرفی، عالی دماغی، اور روح کے لطیف احساسات کی توقع نہیں کی جا سکتی، مولانا روم فرماتے ہیں:

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال

علم و حکمت میں اضافہ حلال لقموں سے ہوتا ہے حرام سے نہیں، عشق الٰہی اور رقتِ طبع مالِ حلال سے پیدا ہوتی ہے حرام سے نہیں۔

لہٰذا ہم آخر میں برادران اسلام کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس لعنت سے باز آئیں اور ملت کے دردمند شاعر کا یہ پیغام یاد رکھیں۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

معاشرہ سے وابستہ گوناگوں مسائل اور ان کی اصلاح

مفتی احمد نادر القاسمی

اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم اور ہندوستانی مسلمانوں کو بالخصوص جن گوناگوں مسائل کا سامنا ہے، ان کو مسائل کے بجائے تحدیات اور چیلیجیز کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں مسلمانوں کو مختلف النوع مسائل کا سامنا نہ ہو، اس طرح موجودہ عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ جو مسائل ہیں ان کی مختلف جہتیں ہیں اور باریک بینی سے اگر دیکھا جائے تو ان مسائل و معاملات اور چیلیجیز کی حیثیت فقہی، قانونی اور شرعی بھی ہے، اور سیاسی، سماجی، معاشرتی، تعلیمی، معاشی، دینی، دعوتی اور فکری بھی ہے ہمارے ہندوستانی میں مسلم سماج میں اور خاص طور سے دینی رجحان رکھنے والے گروہ میں جو سب سے بڑی کمی ہے وہ ہے ایک طرفہ سوچ کی، اکثر یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے ایک کام شروع کیا تو سب اسی کام میں طالع آزمائی شروع کردیتے ہیں، مسلم تنظیموں میں یہ بات بطور خاص دیکھنے میں آتی ہے ان کے کام اور عمل میں تنوع کا فقدان نظر آتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سب نے اپنا اپنا ایک دائرہ طے کر رکھا ہے اور وہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اس سے آگے نہ قدم بڑھانے کو کوئی تیار ہے اور نہ سوچنے کو، حالات کس رخ پہ جارہے ہیں، اصل ایشوز کیا ہیں، ملت کو کن چیزوں کی ضرورت ہے اس تعلق سے منصوبہ بندی اور فکری و عملی لائحہ عمل اور پھر اقدام کی کوشش کیا ہونی چاہئے، اس میں بڑا نقص پایا جاتا ہے۔

جو تنظیمیں کام کررہی ہیں اگر آپ ان کا دستور العمل پڑھیں اور پھر اب تک کے ان کے کاموں کا جائزہ لیں تو قدر مشترک تمام تنظیموں کا دستور اساسی اور کام آپ کو یکساں نظر آئے گا، بلکہ بیس پچیس اور پچاس سال گذرنے کے بعد بھی یہ تنظیمیں اپنے اہداف کے ایک چوتھائی تک پہونچنے میں بھی قاصر نظر آئیں گی، اس کے پیچھے آپ کو ان تنظیموں میں منصوبہ بندی مسائل کے صحیح تحلیل و تجزیہ سے انحراف اور خود احتسابی سے فقدان کا نقص واضح دکھائی دے گا۔

وہ لوگ جو کسی نہ کسی حد تک امت کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے کام میں لگے ہوئے ہیں میرا مقصد ان کی حوصلہ شکنی نہیں ہے بلکہ وہ یقیناً ان لوگوں سے بہتر ہیں جو کچھ نہیں کررہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ملت اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت سوچنے اور تدبیر کرنے والا کیسے اچھا نہیں ہوگا، جبکہ خلق خدا کی بہتری کے لئے اٹھایا جانے والا ہر قدم مبارک قدم ہوتا ہے لیکن مسئلہ ہماری محدود سوچ اور یک طرفہ جدوجہد کا ہے کہ یہی ہمارا طرز عمل آنے والے وقت کے لئے ملت کو مستحکم کردے گا؟ اس لئے ہندوستان کی مسلم قیادت کو اپنے محدود و محصور خول سے باہر آکر ان تمام امور پر غور کرنا ہوگا جن کا تعلق مسلمانوں کے اندرونی معاملات سے ہے ان تمام کو درست کرنے کی ذمہ داری خود ہماری اپنی ہے اور ان امور پر بھی اقدام کی ضرورت ہے جن کا تعلق قانون اور حکومت سے ہے، تاکہ مسلمانوں کے حقوق جو آئین ہند نے دئے ہیں وہ ان کو مل سکیں، جس میں ریزرویشن کا مسئلہ اس وقت میری دانست، اور بحیثیت اقلیت مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے جب تک ان امور پر صاف شفاف جدوجہد نہیں ہوگی اس ملک میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک رہے گا۔ امت کے ذمہ داران ارباب علم و دانش اور قائدین کی جو مشترکہ ذمہ داری ہے، وہ ہے آنے والے وقت کے لئے امت کا

استحکام۔

اب ہمیں ان تمام چیزوں پر غور کرنا ہے جو امت کے استحکام کے لئے معاون ہوں اور ان تمام بکھری طاقتوں کو یکجا کرنا ہے جو ہمارے لئے مفید ہوں، ہمیں ان وسائل کو بھی تلاش کرنا ہے جو ہمارے لئے تقویت کا باعث ہوں، امت کا ہر فرد اپنی جگہ ایک منفرد حیثیت اور مقام رکھتا ہے اس کو کسی بھی زاویئے سے پس انداز کرنا اپنے مشن اور کاز کو نقصان پہونچانے کے مرادف ہے، اس وقت ہمیں دو باتوں پر غور کرنا ہے، داخلی طور پر بکھری طاقت کو یکجا کرنے کی کیا تدبیر کی جائے، اور خارجی طور پر کہ اپنے اہداف کو کس طرح حاصل کیا جائے، اور یہ دونوں چیزیں باہم ایک دوسرے سے مربوط و منضبط ہیں، ہم دینی قیادت کی اس جانب بھی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ''اصلاح معاشرہ'' ہمارے یہاں نکاح، طلاق، جہیز اور تلک وغیرہ کے ہی مفہوم تک سمٹ کر رہ گیا ہے، معاشرہ کی اصلاح ایک پوری معاشرتی اصلاح کا فلسفہ ہے جو زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ کرتا ہے، اور ہمیں اسی وسیع تناظر میں دیکھنا اور ان کے حل کی طرف توجہ دینی چاہئے، ان میں سے چند مسائل و امور اور تحدیات کی جانب اشارات ارباب نظر اور قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ تعلیم کا مسئلہ:

اس وقت ہندوستانی مسلمانوں میں جو تعلیم کا تناسب ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور سچر کمیٹی کی رپورٹ اگر ہم پورے طور پر صحیح تسلیم نہ کریں پھر بھی ہماری قوم کی جہالت اور ناخواندگی تو آشکارا ہو ہی جاتی ہے، ظاہر بات ہے ہم مسلمان ہیں اپنی قوم کے بچوں کو مسلمان باقی رکھتے ہوئے، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہمیں خود کرنا ہے، من حیث المجموع حکومت کی تو ذمہ داری ہے ہی کہ وہ ملک کے ہر فرد کے لئے یکساں تعلیم کے مواقع فراہم کرے، لیکن اس سے زیادہ ذمہ داری ہماری اپنی ہے ہمارے یہاں یہ سب سے بڑی خرابی ہے کہ عصری تعلیم یافتہ طبقہ ہمیشہ علماء کو مورد الزام ٹھہراتا چلا آرہا ہے کہ دینی حلقے نے آزادی کے بعد سے اس جانب توجہ نہیں دی اور صرف زکوۃ خیرات وصول کرنے والے افراد پیدا کئے، اور دینی حلقہ عصری طبقہ کے سر یہ ذمہ داری ڈالتا رہا کہ اس نے عصری تعلیم حاصل کرنے کے باوجود صرف اپنی زندگی کے معیار بلند کرنے اور اپنی مذہبی غیرت و حمیت کو طاق پر رکھ کر دوسری اقوام کے معیار زندگی کے ہم پلہ خود کو لانے کی فکر میں مست رہا، کبھی اس بات کا مطالبہ عصری حلقہ کی طرف سے رہا کہ دینی مدارس کا نصاب بدلا جائے تو دینی حلقہ کا یہ مطالبہ رہا کہ عصری اسکولوں میں دینیات پڑھایا جائے، اور یہی کشمکش جاری رہی اور ہنوز جاری ہے اور دونوں اپنی اپنی جگہ خوش رہے کہ ہمارا موقف موجودہ زمانے سے زیادہ ہم آہنگ ہے اور زیادہ ملت کے مفاد میں ہے، اور نتیجہ دونوں طرف خلاء کی شکل میں سامنے آیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے دونوں ہی مسئلے اہم ہیں، کوئی بچہ عصری علوم میں کمال حاصل کرلے اور دین سے محروم رہ جائے، پھر بھی ہم ناکام، اور کوئی بچہ دینی علوم میں کمال حاصل کرلے اور وسائل زندگی اور بقائے حیات کے لئے دوسروں کا اس طرح محتاج کہ قوت لایموت کے لئے بھی اسے دوسروں کی طرف دیکھنا پڑے، پھر بھی ہم ہی ناکام۔ تو ناکامی دونوں طرف سامنے آئی، سوال یہ ہے کہ زندگی کا کون سا گوشہ ایسا ہے جس کے افراد کی ہم کو اور اسلام کو ضرورت نہیں؟ اسلام ہر زمانہ کی قیادت کے لئے آیا ہے، تو ہر زمانے کے موافق اور ضرورت کے مطابق افراد کی ضرورت ہوگی، تو مسئلہ ضرورت کا ہے وقت اور حالات جس ضرورت کے داعی ہوں گے اس جانب توجہ دینا ہی اصل قیادت ہے، قیادت کسی خاص حلیہ اور جبے قبے کا نام نہیں ہے اور ہم علماء کو اس بات کے اعتراف میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہونی چاہئے کہ ہم نے جس طرح مدارس و مکاتب کے قیام کی طرف توجہ دی اور اس کی ضرورت بھی تھی، اس طرح عصری تعلیم کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا، اور ضرورت محسوس کیا بھی تو صرف اس حد تک کہ یہ کام تو عصری دانش گاہوں کے فضلاء کا ہے، یا صرف زبانی، اس کے لئے کوئی عملی اقدام نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم تعلیم کے میدان میں مجموعی اعتبار سے پیچھے رہ گئے، ہمارے بچے بیگ بٹوے، اور ہوٹلوں کی بڑی تعداد میں زینت بن گئے، لیکن جو وقت گذر گیا وہ ماضی اور تاریخ کا حصہ بن گیا، اب ہمیں فوری طور سے اپنے عصری تعلیمی ادارے کے قیام کی طرف توجہ دینی چاہئے، جس میں دین اور شریعت اسلامی کی زندہ روح بھی ہو۔

۲۔ مدارس کے نصاب میں مفید مضامین کے اضافہ کا مسئلہ:

اس وقت جو مدارس میں نصاب رائج ہے اور کتابیں پڑھائی جارہی ہیں، وہ اپنی جگہ پر، تاہم جو طریقۂ تدریس رائج ہے اس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ پڑھائے جانے کا جو طریقہ ہے اس سے طلبہ میں مطلوبہ معیار کی صلاحیتیں پیدا نہیں ہورہی ہیں اور نہ ہی ان کے ریسرچ و تحقیق میں تنوع پیدا ہورہا ہے، اور نہ ہی کوئی چیز سامنے آرہی ہے، خاص طور سے فقہ میں معاملات اور اقتصادیات سے متعلق ابواب اور اصول فقہ کے طریقۂ تدریس کو مسلم ملکوں کی دانش گاہوں میں رائج طریقہ سے ہم آہنگ کرنا چاہئے، تاکہ کتاب وسنت سے مسائل واحکام کے اخذ واستنباط کا درک طلبہ میں عصری برق رفتار زندگی کی تبدیلیوں کے تناظر میں کماحقہٗ پیدا ہو اور یہاں کے طلبہ کا معیار بھی وہاں کے ڈاکٹریٹ لیول کا ہو اور اس کام کو یہاں کی بڑی دینی جامعات، آسانی سے کرسکتی ہیں، اور اس کے لئے یونیورسٹیز کے کلیہ الشریعہ وغیرہ سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اور وہ جدید مضامین اور سائنس کا عصری ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جیسے جدید اسلامی اقتصادیات وغیرہ جو دینی علوم سے بھی ہم آہنگ ہوں، اسی طرح طب اور لسانیات میں جو بین الاقوامی زبانیں ہیں اختصاص کے طور پر، کا اضافہ کیا جانا وقت کی اہم ضرورت ہے اس پر علماء کو غور کرنا چاہئے۔

۳۔ دینی تعلیم اور جدید نسل کو دین سے مربوط کرنے کا مسئلہ

اس وقت پورے بھارت میں جو مسلمانوں کے زیر کنٹرول عصری ادارے تعلیم وتربیت کے میدان میں کام کررہے ہیں اور ان سے بڑی تعداد میں مسلم بچے تعلیم حاصل کرکے نکل رہے ہیں، ان میں بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی ہے جو یا تو دین سے بالکل نابلد ہوتے ہیں یا ان کی دینی معلومات صرف اسی حد تک ہوتی ہیں جو انہوں نے گھر میں قاعدہ، قرآن شریف ناظرہ، عربی تعلیم کے نام پر حاصل کی ہوتی ہیں۔ وہ پورے طور پر عبادات کے طور طریقے اور اسلامی فرائض سے بھی واقف نہیں ہوتے، اور رہا معاملات تو وہ ایسے بھی شریعت کے حرام وحلال کے اصول سے آزاد سمجھے جاتے ہیں، ان کی گہرائی میں جانا ایسے بھی کتاب وسنت کی تہہ میں جائے بغیر ممکن نہیں اور ان کی تعلیم اور عصری نظام تعلیم اس سے یکسر آزاد ہے۔

اس پر غور کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ایسا مختصر اور اساسی کورس کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کیا جائے اور عصری اداروں کے ذمہ داران سے درخواست کی جائے کہ وہ اضافی اسٹڈیز کے طور پر اپنے اپنے یہاں داخل نصاب کریں، جن میں اسلامی عقائد اور دین کی بنیادی معلومات جامع انداز میں پیش کی جائیں اور اخلاقی، دینی وملی ذمہ داریوں سے متعلق بھی مضامین ہوں، اور اس میں اساتذہ اور والدین کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اس میں اپنا تعاون بھی دیں اور بچوں کو مساجد اور دینی شخصیات سے وابستہ ہونے کے لئے ان کے اندر تحریک پیدا کریں، گھر کے ماحول کو دینی اور صاف شفاف بنائیں، والدین اپنے بچوں پر نگرانی رکھیں، اور ان کے معمولات زندگی پر بھی نظر رکھیں کہ ان کی آمد ورفت ایسی جگہوں پر اور ایسے لوگوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تو نہیں ہورہا ہے جو ان کی شخصیت اور کردار میں نقص پیدا کرنے والے ہوں، وہ اپنی تعلیم پر توجہ دے رہے ہیں یا نہیں اور موجودہ عہد میں موبائل فون، انٹرنیٹ اور سائبر کیفے نے نوجوان کو جس آوارہ مزاجی کی راہ پر ڈالا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں، بچے اس میں زیادہ دلچسپی تو نہیں لے رہے ہیں، اسلام اور دین کے تعلق سے ان کے اوپر کیا ذمہ داریاں ہیں اور بالغ ہونے کے بعد ہر مسلمان سے دین کے کیا کیا ذمہ دارانہ مطالبے ہیں، اس طرح کے حیات بخش احساسات بچوں میں پیدا کرنے کی ہر ممکن تدبیر پر بھی ہمیں غور کرنا چاہئے۔ اسلام، دینی شخصیات اور دینی تشخصات ومقدسات کو جس طرح اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے ہدف تنقید بنایا جاتا ہے ان سے آگاہی پر مناسب توجہ دی جائے، اسکولوں کی چھٹیوں کے ایام میں ان عنوانات پر کوچنگ اور کلاسز کا نقشہ تیار کرکے اس پر محنت کی جائے تو انشاء اللہ اصلاح معاشرہ کے نام پر جو جلسہ جلوس میں لاکھوں لاکھ کا صرفہ آتا ہے اس طرح کی ہنگامہ آرائی سے کہیں زیادہ موثر معاشرہ کی نئی نسل کی خاموش تربیت ہوگی۔

۴۔ سماجی مسائل، بیواؤں کی کفالت کا مسئلہ:

اسلامی نظام میں یتامٰی، مجبور ولاچار افراد، معاشرے کے پسماندہ لوگ اور بیواؤں کی کفالت کا نظم اور ان کی دیکھ ریکھ بیت المال کے ذمہ ہوتی ہے اور جہاں اسلامی بیت المال نہ ہو وہاں جماعۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے کہ وہ

اس جانب توجہ دیں اور مسلمانوں سے زکوۃ وصدقات اور واجبی عطیات کی وصولی کا اجتماعی نظام قائم کریں، اور معاشرے کے ان دبے کچلے افراد تک ان کے حقوق پہونچانے کا نظم کریں، اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے میں ہزاروں ایسی بیوائیں اور مطلقہ خواتین ہیں، ان کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ان کی اپنی ذات کا مسئلہ ہے بلکہ تین تین چار چار بچے بھی ہیں، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں وہ کس کرب ناک دور سے گذر رہی ہوں گی، ہمارے یہاں اس کا کوئی منظم انتظام نہیں ہے آج تک ہماری کسی تنظیم نے اس کا سروے تک کرانے کی زحمت نہیں کی، کوئی اس کو گلے لگانے کو تیار نہیں ہوتا، اپنے پرائے، عزیز رشتہ دار حتیٰ کہ ماں باپ اور بھائی بہن تک انہیں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں، یک زوجگی کے مزاج نے ہمارے معاشرے کو اس قدر پست کر رکھا ہے کہ تعلیم یافتہ افراد بھی اس کی سنگینی سے اس حد تک خوف زدہ ہیں کہ حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ پیدا ہو جائیں، ایک سے زائد شادی کو گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے حالانکہ بیوہ ومطلقہ خواتین سے شادی کا رواج ہی اس مسئلہ کا حقیقی حل ہے، دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی اور اس سے جو بچے ہوتے ہیں ان کے ساتھ ناانصافی اور معاشرے میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں سے ہمیں انکار نہیں ہے، لیکن یہ سب کچھ دین اور شریعت سے دوری اور شرعی اصول انصاف سے انحراف کے نتیجے میں سامنے آتا ہے اور اس کی وجہ سے بغیر شوہر کے اور پہلے شوہر سے جدائی کے نتیجے میں تنہا زندگی گذارنے والی خواتین کی بعض کمزوریوں، اور بسا اوقات تنگ دستی اور معاشی مجبوری کی وجہ سے معاشرے میں جو مفاسد اور فتنوں کے جو دروازے کھلتے ہیں وہ کہیں زیادہ اس سے سنگین ہوتے ہیں، اور بچوں کی بربادی وتباہی الگ رہی، اس لئے ان بیوا اور مطلقہ خواتین سے شادی کے رجحان کو بھی مہمیز اور ترجیح دینے کی ضرورت ہے اس کے لئے ملکی مزاج سے بھی لوہا لینا ہوگا اور عملی طور پر اس کی مقبولیت اور رسول کے اسوہ کی معنویت بھی سمجھانی ہوگی۔

اس وقت بھارت میں وائس آف امریکہ کی رپورٹ کے مطابق تین کروڑ تیس لاکھ مسلم اور غیر مسلم بیوائیں ہیں، انہیں سے مسلم معاشرے کی بیواؤں کا تناسب نکال لیجئے، ظاہر ہے ہم ان کو تو غیر مسلموں کی طرح ورینداون تو نہیں بھیج سکتے، ہمیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا اور اس پر ہمارے یہاں اب تک کام نہیں ہوا ہے۔

۵- معاشی مسائل:

بے روزگاری اور اسلامی فینانشیل ادارے کا قیام کا مسئلہ:

اس وقت دنیا نئے دور میں داخل ہوئی ہے کمپیوٹر اور نئی ایجادات نے جہاں زندگی اور فکر ونظر کے بہت سے دروازے کھولے ہیں، وہیں پرانی صنعتوں کو مفلوج کر کے تیز رفتار الکٹرانک سلکی اور لاسلکی ذرائع سے انسانی حیات کو مربوط کر دیا ہے، جس میں معمولی معمولی کام کے لئے بھی لاکھوں لاکھ سرمایہ درکار ہوتا ہے مسلمانوں میں ایک طرف تعلیم کی کمی تو دوسری طرف سرمایہ کی فراہمی کے سسٹم کا فقدان، اس نے بڑی تعداد میں مسلم نوجوان کو بے کاری اور بے روزگاری کے منہ میں ڈھکیل دیا ہے سرمایہ نہ ہونے، مسلمانوں کے صنعت وحرفت سے دور ہونے، اور ملک میں فرقہ وارانہ ناہم آہنگی اور تیزی کے ساتھ بڑھتے متعصبانہ اور برادران وطن جن کے ہاتھ میں ساری چیزیں ہیں ان کی طرف سے ہر جگہ اور ہر شعبہ میں صرف اپنی قوم کے لوگوں کو ترجیح دینے والے رویے نے مسلم نوجوانوں کو خاص طور پر اس آزمائش میں مبتلا کیا ہے، بڑی تعداد میں شہروں میں ہماری نوجوان نسل بے روزگاری کی زندگی گذار رہی ہے، یہاں تک کہ پڑھے لکھے نوجوان بھی ایک طرف حکومت کے سوتیلے پن کی وجہ سے ملازمت سے محروم تو دوسری طرف سرمایہ کی عدم فراہمی کی وجہ سے کاروبار سے محرومی، ظاہر ہے اس کا اثر ہمارے مسلم معاشرے پر پڑنا، مسلم معاشرہ کا غربت وافلاس کی طرف جانا، اور اس کی وجہ سے معاشرے میں سنگین صورت حال کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے، جس قوم کی نوجوان نسل ہی بے روزگار ہوگی تو اس قوم کے بزرگوں، بچوں اور عورتوں کا کیا ہوگا؟ آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج ملک کی آزادی کے اتنا عرصہ گذرنے اور ملک کے قانونی داؤ پیچ اور ارباب حکومت کی طرف سے شاطرانہ رویہ اختیار کئے جاتے رہنے کے مسلسل تجربہ کے باوجود ہم نے ضلعی اور صوبائی، نیز شہری سطح پر غیر سودی قرض فراہم کرنے والے ''اسلامی

فیانشیل“ ادارے قائم نہیں کئے، جس سے کسی حد تک چھوٹے کاروبار کرنے والے اور چھوٹی صنعت لگانے والے افراد کی ہم مدد کرتے اور ان کو معاشی طور پر مستحکم کرنے میں معاون و مددگار ہوتے، اگر ایسا کرلیا گیا ہوتا تو آج ہمارے نوجوان کی بے روزگاری کی یہ صورت حال نہ ہوتی، طرفہ تو یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو ”ضرورت و حاجت کے نام پر سودی قرض حاصل کرنے کے فتاوے اور مشورے تو دے دئے“ لیکن غیر سودی قرض فراہم کرنے والے ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ نہیں دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا مسلم معاشرہ غربت وافلاس کی دلدل میں پھنستا چلا گیا، کسانوں کے کھیت کھاد اور پانی کے بغیر پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بنجر ہوگئے۔ اور ہر طرح کی سماجی برائی، غربت وافلاس کی وجہ سے ہمارے یہاں در آئی، بہر حال وقت گیا نہیں ہے اب بھی ہم اس کام کو منظم منصوبہ بندی اور بعض قانونی رکاوٹوں کو دور کر کے کر سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں بھی جو یہ رجحان چل پڑا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک گاڑی ہے تو وہ دوسری کی فکر میں ہے اور دوسری ہے تو تیسری کی، اس طرح غیر ضروری چیزوں میں اپنے سرمایہ کو برباد کرنے کے بجائے قوم کے دبے کچلے افراد کی تعمیر وترقی میں صرف کریں، اور اپنی ضرورت کے دائرے کو کم کرتے ہوئے ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں، بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے قرض حسن یا بغیر سودی قرض دینے کا مزاج بنائیں تو انشاء اللہ قوم کو آگے بڑھانے میں بڑا اہم کام ہوگا، نیز یہ کہ مسلم نوجوانوں کو تجارت اور بزنس کی طرف ابھارا جائے، اور جن کے پاس سرمایہ کی کمی ہو ان کو سرمایہ فراہم کئے جانے کا بندوبست کیا جائے، ظاہر ہے کہ اگر ہماری قوم کے پاس دولت ہی نہیں ہوگی تو پھر انفاق فی سبیل اللہ کہاں سے کرے گی، ہم لوگوں کے ساتھ المیہ یہی ہے کہ انفاق پر زور دیتے ہیں، مگر وسائل انفاق پر ہماری توجہ نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ!

دوسری طرف ملک میں مخلوط تعلیمی اور جدید معاشرتی نظام کی وجہ سے مسلمان بچیوں میں غیر مسلموں سے شادی کا رجحان بھی حالیہ برسوں میں تیزی سے بڑھا ہے، اس کے بہت سے اسباب ہیں، اس میں ایک بنیادی سبب مسلمان بچوں کی بے روزگاری اور ناکارہ پن بھی ہے بہر حال یہ بھی ہمارے ارباب نظر اور ملت کے قائدین لئے لمحہ فکریہ ہے۔

۶- اوقافی جائیدادوں کی تنظیم وترقی کا مسئلہ:

ہمارے یہاں مسلمانوں اور بالخصوص علماء کے ایک طبقہ میں نئے اوقافی جائیدادوں کے قیام کا رجحان تو پایا جاتا ہے مگر پورے بھارت میں جو مسلمانوں کی اوقافی جائیدادیں ہیں ان کی باز آبادکاری، ان کی ازسر نو تنظیم، تولیت، ان کو موجودہ عہد کے مطابق مفید اور کار آمد بنانے کا منصوبہ اور وہ اوقافی پراپرٹیز جو حکومت اور لوگوں کی ذاتی خورد برد اور دست درازی اور قبضے میں ہیں، ان کی حصولیابی اور مسلمانوں کی تعمیر وترقی، مساجد کی دیکھ بھال اور مدارس کے بچوں کی کفالت، بیواؤں اور یتیموں کی تعلیم و پرورش کے لئے اوقاف کے مؤثر کردار ادا کرنے کے لائق بنانے کا کوئی جامع منصوبہ نہ تو آج تک بنا اور نہ ہی اس جانب پیش قدمی ہوئی، آج ہم نے آثار قدیمہ کے نام پر نہ جانے کتنی امت مسلمہ کی اوقافی جائیدادیں حکومت کے حوالہ کر رکھیں ہیں، اور اس کی دینی اور شرعی پوزیشن معلوم ہونے کے باوجود حکومت کے آگے ہماری زبان نہیں کھلتی، میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز آثار قدیمہ کے زمرے میں جا سکتی ہے لیکن اگر وہ آمدنی کا ذریعہ بن جائے اور کروڑوں روپیہ اس سے حاصل ہوں تو کیا وہ روپیہ اور آمدنی بھی آثار قدیمہ ہی کہلائے گی؟ یا اس کے مصارف پر صرف ہوں گے، اس پر ہماری توجہ کیوں نہیں ہے؟ بعض چیزیں قطعی آثار قدیمہ میں جانے کی نہیں ہیں، مثلاً صفدر جنگ مدرسہ، اسے مسلمانوں کے حوالہ کیوں نہیں کیا جاتا، وہ تو ہمیشہ تعلیم و تربیت کی جگہ رہی ہے آج گھناؤنے قسم کے شیطانی کھیلوں اور کمین گاہ میں تبدیل ہو چکی ہے حکومت سے اس کی بازیابی کا ہمارا مطالبہ کیوں نہیں ہے؟ ہمایوں کا مقبرہ اس کا مصرف تو یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مردے دفن ہوں اسے کیوں پارک میں تبدیل کردیا گیا ہے تدفین موتی کی اجازت کا کیوں ہمارا مطالبہ نہیں ہے یہ تو میں نے محض چند مثالیں دی ہیں، ورنہ تو حکومت نے مسلمانوں کی بے شمار اوقافی جائیدادوں کو آثار قدیمہ کے نام پر

قبضہ کر کے اپنے مصرف میں استعمال کر رہی ہے یا پھر اس میں فوجی کیمپ بنا دئے گئے ہیں، یا اس پر دوسروں کے ناجائز قبضے ہیں، یہیں اوکھلا موڑ پر مسلمانوں کی شاندار عیدگاہ تھی جس میں B.N. گارڈن کے نام سے مستقل فنکشن ہال بنا ہوا ہے اور یہاں کے مسلمانوں کو عید اور بقرعید کی نماز ادا کرنے کے لئے جگہ میسر نہیں۔ پورے ملک میں اور جن جن شہروں میں اس طرح کی صورتحال ہے اس پر باضابطہ کام اور ایکشن کی ضرورت ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ جو قلعے ہیں وہ بھی ہمیں واپس کئے جائیں، اس کا تعلق براہ راست حکومت سے ہے وہ اس دور میں بھی حکومتی کاموں کے مصرف میں تھا اور آج بھی وہ حکومت کے قبضے میں ہے لیکن جو چیزیں اس سے الگ ہیں، تعلیم وتربیت، کفالت، مسافر خانہ ورہائش کے لئے قائم اوقاف ہیں اور ان کی خالص دینی حیثیت ہے انہیں تو مسلم پرسنل لا کے تحت مسلمانوں کو دے جائیں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جس پر ارباب حل وعقد اور مسلم قائدین کو توجہ دینی چاہئے، میں نے مطالبہ کی بات صرف اس لئے کہی کہ یہ جمہوری ملک ہے جمہوریت میں پہلے مطالبہ ہوتا ہے، پھر وہ تحریک کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر کامیابی ملتی ہے۔

۷- ملی تشخصات اور مسلم پرسنل لا کی حفاظت کا مسئلہ:

گذشتہ ۳۵/سالوں سے ہندوستان میں ہم مسلم پرسنل لا کی حفاظت کی دفاعی جنگ حکومت سے لڑ رہے ہیں، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے وہ مسائل جن کو قانونی حیثیت حاصل ہے، آج تک ہم ان قوانین کو ملک کی پارلیمنٹ اور عدالت سے تحفظ دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، آئے دن کسی نہ کسی عدالت میں ان کو چیلنج کئے جانے کا سلسلہ رہتا ہے اور مسلم پرسنل لا بورڈ اس کے دفاع میں اپنی انرجی اور وسائل صرف کرتا دکھائی دیتا ہے، کبھی نفقہ کا مسئلہ تو کبھی مسلمانوں کے ذریعہ کئے گئے نکاح کو منظور نہ کئے جانے کا مسئلہ، تو کبھی یکساں سول کوڈ کا مسئلہ، کبھی اسلامی طریقہ پر دئے گئے طلاق کو کالعدم قرار دئے جانے کا مسئلہ، اور ہم ہیں کہ ان مسائل کی صحیح پوزیشن واضح کرنے اور تاویل کرنے اور کوٹ کو سمجھانے میں ہی لگے ہوئے ہیں، آج تک یہی واضح نہیں ہو سکا کہ جب مسلمانوں کو چند گنے چنے ہی سہی پرسنل لا کے حقوق کو قانونی صورت حاصل ہے تو پھر کوٹ کی طرف سے نہ ماننے اور چیلنج کئے جانے کا مطلب کیا ہے؟ اور پرسنل معاملات کے حقوق حاصل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور آخر تحفظ کس چیز کو حاصل ہے؟ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظات اور ملی تشخص کی بقاء کے تعلق سے فیصلہ کن اقدام کی ضرورت ہے اور کافی تعداد میں مسلم ارکان پارلیمنٹ جیت کر ایوان بالا تک پہونچتے ہیں ان سے مدد لی جائے اور ایسا قانون بنے کہ کورٹ اسی کے مطابق فیصلہ دینے کا پابند ہو، اسی طرح مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں بھی بغیر کسی تاویل اور تشریح کے بورڈ کی طرف سے اور پوری مسلم کمیونٹی کی طرف سے مسلم پرسنل لا کے جو اصول طے کر کے دئے گئے ہیں فریقین بھی کورٹ میں انہیں کے پابند ہیں۔ اور جس معاملہ میں کورٹ کسی طرح کے Confusion کا شکار ہو تو وہ مسلم پرسنل لا بورڈ سے رجوع ہو۔ تب ہی اس روز روز کی پیروی سے چھٹکارا بھی ملے گا، اور مسلمان مطمئن بھی ہوں گے کہ ہمیں کورٹ سے بھی اسی کے مطابق فیصلہ ملے گا، اور وہ معاملات جو ہمارے دارالقضاء سے جڑے ہوئے ہیں ان میں مسلمان دارالقضاء کی طرف رجوع کا پابند ہے۔

۸- پورے ملک میں دارالقضاء کا قیام:

ایک مسئلہ ملک میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے پورے ملک میں دارالقضاء کے قیام کا ہے اس باب میں جس تیزی سے کام ہونا چاہئے بورڈ کی جانب سے ایسی دلچسپی نہیں دیکھنے میں آ رہی ہے، اور نہ ہی اس کے لئے بورڈ کی طرف سے خاطر خواہ کوشش ہو رہی ہے اور نہ ہی وفود کے دورے ہو رہے ہیں، بوڈ کے ذمہ داران کو چاہئے کہ خاص اس کام کے لئے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے اور اس کو اختیارات بھی بورڈ کی جانب سے دئے جائیں اور وہ پورے بھارت کے لئے صوبائی کمیٹی بنائے جو ہر صوبہ کے تمام بڑے شہروں اور قصبات میں جلد از جلد دارالقضاء کے دفاتر کے قیام کو یقینی بنانے کی جدوجہد کرے، یہ بات بار بار مختلف لوگوں کی طرف سے کی جاتی رہی ہے۔

۹۔ مساجد کے نظام تربیت کو منظم کرنے کا مسئلہ:

اس وقت پورے بھارت میں دینی تعلیم کی منظم شکل مدارس ومکاتب کی صورت میں موجود ہے اور بحمداللہ مدارس پورے طور پر اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں، مگر عوامی سطح پر اصلاح ودعوت کی منظم صورت اگر ہے بھی تو وہ یا تو تبلیغی جماعت ہے، یا پھر ہمارے مساجد کے ائمہ کرام ہیں، ورنہ کوئی ایسا سلسلہ جس کا نام لیا جائے نہیں ہے، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ برصغیر میں ایسا بھی طبقہ ہے، جو خود بھی اس میدان میں کام نہیں کرتا اور اسے یہ سلسلہ بھی برا لگتا ہے، اسے مزید اس جانب کسی اوارتی کوشش کی ضرورت بھی نہیں ہے، ائمہ کرام کو ٹرینڈ کرنے اور ان کو موضوعاتی تربیت کی ضرورت ہے۔سلیقہ مند معاشرے کی تشکیل کے لئے مساجد کے نظام کو ترتیبی لحاظ سے فعال بنانے کی اشد ضرورت ہے، ائمہ کرام کی اس طرح رہنمائی اور تربیت کہ خالص کتاب وسنت سے اخذ کئے گئے اصلاحی اور فکری مضامین سے عوام کو باخبر کرنے اور اختلافی اور مسلکی ایشوز سے قطعی احتراز، اور امت میں محبت کی فضا پیدا کرنے والے خطبات اور کچھ ضروری مسائل پر توجہ کی شدید ضرورت ہے، اس سے مسلمانوں میں اخلاق بلندی بھی آئے گی اور ایک ذمہ دار اور جدید دینی رجحان والا معاشرہ وجود میں آئے گا اور اس کی ضرورت ہے، ہمارا پورا معاشرہ منکر، فواحش، عصبیت، سے آلودہ، اپنے بھائیوں کی حقارت، دینی حمیت اور ملی غیرت سے آزاد، احساس آخرت سے عاری ہے، اخلاق وکردار سے دور اور صحیح اسلامی اسپرٹ اور ایمانی حرارت سے کوسوں دور ہو چکا ہے، اسے اپنے صحیح دینی اور اسلامی ڈگر پر لانا ہمارا فریضہ ہے اور ہمارا نظام مساجد ہی اسمیں موثر رول ادا کرسکتا ہے۔

۱۰۔ برادرانِ وطن کے ساتھ ساجی ہم آہنگی کا مسئلہ:

اس وقت ملک میں جو فرقہ وارانہ نفرت اور ایک دوسرے سے دوری کا جو ماحول بعض فرقہ پرست عناصر کی طرف سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں، ظاہر ہے اس سے دینی، دعوتی، ساجی اور سیاسی ہر لحاظ سے ہمارا ہی نقصان ہے، اور ملک میں امن وآشتی اور محبت و بھائی چارگی کا ماحول ہوتا ہے تو ہر لحاظ سے ہمارا ہی فائدہ ہے، اگر ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں تو اس کی اصلاح کی کوشش بھی ہمارے ہی ذمہ ہے، ہم سب سے پہلے ایک داعی امت ہیں، اور پھر قاضی، جب تک دعوت کا فریضہ مکمل طور پر ادا نہیں ہوگا، معاشرہ میں ہمیں فیصلہ کی قوت حاصل نہیں ہوگی، اس لئے بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آگے آکر اس میں اقدام کریں، اور وہ معاملات جو خالص ساجی نوعیت کے ہیں اور ہم اور ہمارے ملک کے دوسرے برادران وطن کے درمیان جن امور میں ملکی پس منظر میں اشتراک ویکجہتی ہے، ان امور میں ملکی قانون کے مطابق استفادے کی راہ آسان کرنے کے لئے اور امن وآشتی کی فضا بحال کرنے کے لئے برادران وطن کے ساجی کارکنان سے ڈائلاگ، گفتگو، میل ملاپ اور تبادلۂ خیال کے لئے ماحول سازگار کرنے کی سخت ضرورت ہے، اس میدان میں ہمارے پچھڑنے کا ہی نتیجہ ہے کہ ملکی اور سیاسی معاملات میں بھارتی معاشرہ کا اٹوٹ حصہ ہونے کے باوجود ہمیں نہ صرف یہ کہ پس انداز کیا جارہا ہے، بلکہ ہمیں اس کا حصہ ہی نہیں سمجھا جارہا ہے، یا زیادہ سے زیادہ ہماری حیثیت ووٹ بینک، یا ووٹ تمہارا راج ہمارا، کی رہ گئی ہے، اور اگر ہم اپنے دینی تشخصات کے ساتھ بھارت کی ساجی اور معاشرتی زندگی کا حصہ ہوتے تو شاید ہمیں نظر انداز کئے جانے کا شکوہ نہ ہوتا، اس لئے ہمارے ذمہ دار علماء کرام کو حضرت علی میاںؒ کے بینر "پیام انسانیت" کے تلے ہی سہی، مگر اس کوشش کو نہ صرف زندہ کرنے بلکہ فوری طور سے پیش رفت کا سلسلہ شروع کرنے کی ناگزیر ضرورت ہے، پیام انسانیت کا ذکر میں نے بطور مثال کیا ہے، کسی بھی عنوان سے اس سلسلہ کو جاری کیا جاسکتا ہے۔

۱۰- نکاح کے رجسٹریشن کا مسئلہ:

ابھی ابھی حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کے اپنے اسلامی طریقے پر انجام دئے گئے نکاح کو تسلیم نہ کئے جانے کا مسئلہ بھی ہے، سب سے زیادہ اس معاملہ میں افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم ممالک ملازمت کی غرض سے جانے والے لوگوں کے لئے اگر وہ اپنی بیویوں کو اپنے پاس بلانا چاہیں اور وہ نکاح کے کاغذات مسلم ممالک کی ایمبیسیوں کو دیتے ہیں تو اسے وہ بھی مسترد کردیتے ہیں اور حکومت ہند سے رجسٹرڈ میرج سرٹیفکٹ کا مطالبہ کرتے ہیں،

بقیہ صفحہ ۵۲ پر

اصلاح معاشرہ-عملی تدابیر

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کو عمدہ ترین طریقہ پر پیدا کیا۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ اور اس میں کارفرما قوانین اور طبعی وفطری قوانین اللہ احسن الخالقین کے احکامات میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہاں اس کی سب سے اشرف واحسن تخلیق جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کرنے ''خلقت بیدی'' کا شرف بخشا اسے ضرور یہ چھوٹ ملی کہ ''اِمّا شاکراً و اِمّا کفوراً'' چاہے تو اطاعت کرے اور چاہے روگردانی کرے اور اللہ کی کائنات میں فساد پیدا کرے۔ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ فساد چاہے وہ کائنات میں ہو اور چاہے انسانی معاشرہ میں وہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اپنی کائنات میں اطاعت اور اصلاح کو اللہ پسند فرماتے ہیں اسی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کا سلسلہ جاری فرمایا۔ مگر چونکہ یہ دنیا دارالامتحان اور آزمائش اور کشمکش کا میدان ہے یہاں پر بدی کی قوتوں کو شیطان اور اس کے حمایتیوں کی طرف سے قوت پہونچانے کی چھوٹ بھی اللہ عادل ومنصف نے دے رکھی ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں بلکہ اگر غور کریں تو قصۂ ہبوطِ آدم میں تو ملاءِ اعلیٰ میں بھی شیطانی قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کی صفت کے تحت آزادی ملی ہوئی ہے کہ وہ کائنات میں ہر ممکن طریقہ سے فساد پھیلائیں اور وہ آدمؑ وحواؑ کے ہبوط سے لے کر ہابیل وقابیل سے ہو کر آج تک ہر لحظہ سرگرم فساد ہے۔ اس کا کام ہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے ہر طرف سے بہکائے اور اللہ کے راستہ سے ہٹا کر بغاوت کا راستہ اپنانے پر اکسائے اور نتیجتاً اللہ کی دنیا میں ہر طرح کا فساد فکری فساد، عملی فساد، اخلاقی فساد، جنسی فساد برپا کردے۔ چونکہ جن وانسان کے علاوہ کائنات میں کسی کو بھی ''ارادہ'' کی آزادی حاصل نہیں ہے اسی لئے شیطانی طاقتوں اور وساوس کا ان پر زور چل ہی نہیں سکتا۔ صرف انسان ہی ہر لحظہ اس خطرناک ازلی دشمن کی زد پر ہے، اور نتائج بھی سامنے ہیں۔

اسلام جب اور جہاں مکمل طور پر نافذ ہوتا ہے وہاں شیطانی قوتوں کو کچل کر رکھا جاتا ہے یہ کام حکومت اپنے تمام اداروں کے ساتھ مل کر کرتی ہے، مگر جب سے دنیا میں یہ فریضہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنے'' ادا کرنا برائے نام اور لولا، لنگڑا ہو گیا ہے شیطانی قوتوں کا ہر طرف غلبہ ہو گیا ہے۔ دنیا کی مومن اور غیر مومن آبادی کی اکثریت کے قلوب واذہان شیطانی افکار سے مرعوب ہیں اور ان سے شیطانی اعمال ظاہر ہو کر فساد فی الارض کا باعث ہو رہے ہیں۔ تاریخ انسانی کا اتنا ہمہ گیر اور طاقت ور، فکری بگاڑ کبھی نہیں ہوا ہوگا جتنا ۳۰۰ر سال قبل امت مسلمہ کے داخلی انتشار اور فکری ضعف کی بناء پر اور مغرب کے مسخ شدہ مذہبی عقائد کے ردعمل کے طور پر خدا کے انکار یا معاذ اللہ خدا کی تذلیل اور کائنات سے خدا کی ''بے دخلی'' جیسے شیطانی افکار کے اظہار کے طور پر ہوا۔ جب عوام کی یہ فکر بنائی گئی کہ مذہب استیصال کا ذریعہ ہے یہ لوگوں کو بے وقوف بنا کر کم عقل بناتا ہے اور انسان کی ترقی کے لئے مذہب نہیں عقل کی ضرورت ہے۔ اور انسانی زندگی کے معاملات میں الٰہی

ہدایت اور رہنمائی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس فلسفہ کے تحت وجود میں آنے والے معاشرہ اور ممالک نے دنیا میں بظاہر جو چمک دمک اور ٹکنالوجی کی ترقی کی اس نے مذہب پسند طبقہ تک پر بھی محسوس یا غیر محسوس طریقہ پر یہ اثر چھوڑا کہ مذہب چند عبادات یا اللہ سے تعلق کی چند رسومات کا نام تو ہوسکتا ہے مگر وہ تمام انسانی معاملات اور معاشرہ کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ وہ اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ الٹا اس کی پابندی سے انسانی ترقی رک جائے گی۔ اب دنیا بھر میں عوام کی اکثریت عملاً اسی فلسفہ کو طوعاً اور کرھاً جانتی ہے۔ اور عمل کرتی ہے، خدا کے بجائے مادہ انسان کا مطلوب ومقصود ہے۔ خدا پرستی کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی ہے، اور انسان سماج اور حکومتی اداروں کے جبر اور مجبوریوں میں ایسا پس رہا ہے کہ وہ چاہ کر بھی معاشرہ میں پھیلے فساد کے ماحول کے خلاف نہیں چل پا رہا ہے۔ وہ شرک کو برا سمجھتا ہے مگر عملاً شرک کرتا ہے، وہ ظلم کو برا سمجھتا ہے، قتل، زنا کو، رشوت کو، بے حیائی، عریانی کو برا سمجھتا ہے، مگر باہر نہیں نکل سکتا کیونکہ برائی بہت ہمہ گیر ہے، اس نے سماج کے ہر ادارہ انسان، خاندان، محلّہ، شہر، حکومت، پولیس، اساتذہ، قانون ساز، عدلیہ سب کو چنگل میں جکڑ رکھا ہے۔ اتنے سخت حالات میں فکری، معاشرتی، اخلاقی اصلاح کی بات کرنا ایک ناممکن کام ہی لگتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جبکہ اہل اقتدار اور اہل فکر اصحاب خود ہی برائیوں کا حکم دے رہے ہوں، اور بھلائیوں سے روک رہے ہوں، تب کامیابی کی کیا صورت نظر آتی ہے؟ اور شاید یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہی ہے کہ مومن جو کچھ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرسکتا ہوا سے بھی نہ ادا کرے جبکہ شریعت نے مومنین مصلحین کا اجر ان کے کام کے نتائج سے مشروط نہیں کیا ہے۔ بلکہ کام کی کمیت اور کیفیت سے مشروط کیا ہے تو یہ طے ہے کہ معاشرہ کی فکری اور عملی اصلاح کا کام جس قدر بھی منظم اور مؤثر انداز میں ہوسکے ہونا ضروری ہے۔ کہ کم سے کم "معذرۃ الی ربکم و لعلھم یتقون" کے مصداق آخرت کی پکڑ اور دنیا کے عمومی عذاب سے بچا جاسکے۔

آج کی دنیا میں انسانی فکر بنانے کا ہر ادارہ عملاً اللہ سے بغاوت یا دوری ہی بنانے کا کام کررہا ہے، گھر، ماں باپ، گھر کا ماحول، محلّہ، اسکول، ٹی وی، اخبار، دوست واحباب سب کس فکر کے حامل ہیں؟ آنکھ کھولتے ہی بچہ ٹی وی دیکھتا ہے، جس کی بنیاد ہی حرص، ہوس، زرپرستی اور بے حیائی پر ہے اس کے بعد اسکول کا ماحول وہاں پروان چڑھنے والی ذہنیت جو انہیں پہلے دن سے ہی پڑھ لکھ کر اونچا عہدہ حاصل کرنے کا مقصد تھماتی ہے اور دوستوں کی دنیا جوانی کے مخصوص مزاج کی بدولت انہیں اور زیادہ مادہ پرست اور انسانیت سے دور کرتا جاتا ہے۔ آج کے کھلے پن، صارفیت پسند تہذیب، روشن خیالی کے دور میں سماج کی لگام چند سرمایہ داروں کے پاس مرتکز ہوتی جارہی ہے، جن کے پاس صرف ایک مقصد ہے انسانوں کو خواہشات کا غلام بنا کر ان کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسہ نکالنا اور بس۔ اس ہمہ گیر فساد کے ماحول میں کوئی بھی شارٹ کٹ اور پیوند کاری مطلوبہ اصلاح نہیں حاصل کرسکتی، کیونکہ قوت کے سرچشموں پر شیطانی فکر رکھنے والوں کا غلبہ ہے اور وہ اصلاح کی کسی بھی سنجیدہ کوشش کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ایسے میں امت مسلمہ کو اپنا منصب خیر امت دوبارہ زندہ کرنا ہوگا تا کہ انسانیت کے گلستان میں پھر بہار آئے، پھر توحید، انصاف، امن ومحبت کا دور دورہ ہو۔

(۱) فکری تبدیلی کے بغیر کوئی بھی عملی تبدیلی یا اصلاح ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک تمام انسانیت کی تعمیری تبدیلی کا نسخہ ہے، اس کی تعلیمات کو گھر گھر، محلّہ محلّہ، مسجد مسجد شروع کئے بغیر کسی بھی عملی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ اعمال، افکار کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ قرآن کے ذریعہ فکر سازی کئے بغیر خصوصاً نوجوانوں (لڑکے لڑکیوں) اور خواتین میں کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت قرآن پڑھنا ہی نہیں جانتی اور جو جانتی ہے وہ اس کے پیغام رشد وہدایت سے بے خبر ہے۔ اگر ہم بے لاگ طریقہ سے جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ شہر یا آبادی کی سینکڑوں مساجد میں کہیں بھی قرآن کی تعلیمات کی تفہیم اور تذکیر کا اہتمام نہیں ہے تو گھروں کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ شیطانی فکر کی ہمہ گیری کا حال بھی ہمارے

سامنے ہےتوہم قرآن کے افکارکو عام کئے بغیر کسی اصلاح کی بات کرتے رہیں۔ کیا یہ نبیؐ کے زمانہ میں ممکن ہوا؟ کیا بعد کے ادوار میں قرآنی فکر عام کئے بغیر کوئی پائیدار تبدیلی ممکن ہوئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر آگاہ کردیا ہے کہ ''اس امت کی آخیر کی اصلاح بھی اسی کے ذریعہ ممکن ہے، جس کے ذریعہ امت کے ابتداء کی ہوئی تھی''یعنی ''قرآن حکیم''۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ''عنقریب کچھ فتنہ برپا ہوں گے، میں نے پوچھا ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کتاب اللہ، جس میں تم سے پہلے کے لوگوں کی سرگذشت ہے، تمہارے بعد کے لوگوں کی خبر ہے تمہارے باہمی اختلاف کا فیصلہ ہے جو قول فیصل ہے، ہنسی مذاق نہیں ہے، یہ وہ کتاب ہے جسے جس زورآور نے چھوڑا اللہ نے اس کی کمر توڑ دی جس نے اس کے علاوہ کہیں اور ہدایت طلب کی اللہ نے اسے گمراہ کردیا، یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ اس سے خواہشات میں کجی نہیں پیدا ہوتی۔ (بروایت ترمذی، باب فضائل القرآن، دارمی اور ابن ابی شیبہ)

اور جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم جس خیر سے ہمکنار ہیں اس کے بعد کوئی شر آنے والا ہے جس سے ہمیں بچنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اے حذیفہ تو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام رکھ اس کا علم حاصل کر اور جو کچھ اس میں ہے اس کی پیروی اختیار کر''۔ آپؐ نے تین بار یہ بات دہرائی۔ (مستدرک حاکم) سماج کے ہر طبقہ کے لئے مساجد قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کا نظم اصلاح کی کسی بھی کوشش کی بنیاد کا پتھر ہے اس کے لئے محلّہ، گھر، مسجد، مکتب، اسکول، کالج، ہاسٹل، لائبریری، Audio Visual، ہر ذریعہ کا سہارا لینا ہوگا، نوجوانوں کے لئے شبینہ قرآن کلاس، اور طلباء کے لئے سمر قرآن کلاس Summer Quran Class کے نتائج حیرت انگیز ہو سکتے ہیں۔

(۲) ذرائع تفریح کا میدان فکری تیاری کے لئے بہت وسیع ہے، ملکی طور پر نہ سہی مگر کل ملا کر انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے صحتمند تفریحی مواد طلباء طالبات اور نوجوانوں و عام عوام تک پہونچانا ضروری ہے۔ اس کے نہ ہونے کی صورت میں امت مسلمہ کی اکثریت ذریعہ تفریح کے عوامی ذرائع کا شکار ہوکر خلاف اسلام افکار واعمال کا شکار ہو رہا ہے۔ ذریعہ تفریح کے ذریعہ سب سے زیادہ نوجوان نسل کا ذہن متاثر کیا جا رہا ہے۔ ہر گاؤں یا شہر کی مرکزی آبادی میں ایک اسلامی اطلاعاتی یا ثقافتی مرکز کا قیام جہاں Computer ہو اور آڈیو ویڈیو، C.D. کا ذخیرہ بھی ہو اس کو Cable کے ذریعہ نشر بھی کروایا جا سکتا ہے۔ اور گھروں کے لئے بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کا مرکزی نظم کسی بھی معتبر ادارہ کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ملکی اور علاقائی ثقافتی اجتماعات:

ملک کے کونے کونے میں علاقائی زبانوں میں ثقافتی اجتماعات منعقد ہوں، جن میں ادب، تاریخ، طنز و مزاح اور کھیل کود کے اجتماعات منعقد کرائے جائیں اور ان کو صحتمند ذرائع تفریح کے ذریعہ اصلاح کے لئے تیار کیا جائے۔ بلکہ بگاڑ کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے۔ نئی نسل کو کر کے بتایا جائے کہ واقعتاً اسلام ایک مکمل نظام ہے۔

(۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

ملت میں یہ کام کیسے ہو؟ اس پر کافی اختلاف رہا ہے۔ مگر کم از کم معاشرتی روک ٹوک کا اخلاقی نظام بنانا ضروری ہے۔ اصلاً یہ کام اقتدار کا ہے مگر اس وقت تو اقتدار، اشاعت منکرات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ایسے میں کم سے کم ''نصیحت'' اور ''تذکیر'' کے ذریعہ اس بنیادی فریضہ کی ادائیگی کی شکل عمل میں لانی ضروری ہے۔ جو محلّہ اور گاؤں میں ایک ''اجتماعی ترقی'' کا رول ادا کر سکے۔ اور آبادی میں منکرات کے پھیلاؤ پر نظر رکھے۔

(۵) حکومت کا ذریعہ

زنا، بے حیائی، قتل، لوٹ مار، نشہ آور ادویہ کی فروخت اور فحش لٹریچر اور پروگراموں کے خلاف غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر مہم چلانی چاہیے۔ تاکہ نیکی اور بھلائی کا عام ماحول بن سکے۔ ❁ ❁ ❁

اسلام میں عورت کا مقام

مولانا عتیق احمد بستوی
رکن اساسی بورڈ

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے صنف نازک عورت کے بارے میں فرمایا ہے:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنون

کائنات میں عورتوں کے مرتبہ ومقام اور حقوق وفرائض کا مسئلہ ہر دور کے مفکرین اور فلاسفہ میں زیر بحث رہا، خالق مرد وزن اللہ تعالیٰ کی وحی اور ہدایت کے بغیر جب بھی انسانی دماغوں نے کائنات میں عورتوں کے مقام و کام اور مردوں سے ان کے رشتہ کا مسئلہ حل کرنا چاہا تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں، افراط وتفریط کا شکار ہوئے یا تو عورتوں کو انسان کے جنس سے نکال کر جاندار چوپایوں یا بے جان اشیاء کے زمرے میں شامل کیا گیا، یا مرد عورت کی خلقی وصنفی خصوصیات سے آنکھیں بند کر کے دونوں کو ایک ہی میدان میں کھینچ لایا گیا، وحی کی رہنمائی کے بغیر حکیموں نے مسئلہ مرد وزن کی گتھی سلجھانے کی جس قدر کوشش کی اتنا ہی یہ مسئلہ پیچیدہ تر ہوتا گیا، علامہ اقبالؒ نے بالکل بجا فرمایا:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

اسلام سے پہلے عورتوں کی حالت زار:

حقوق ملکیت اور میراث ہی کے سلسلے میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام میدانوں میں اسلام نے عورتوں پر کیا احسانات کئے، اور انہیں کن حقوق سے نوازا اس موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اشارے اس طرف کردئے جائیں کہ اسلام سے پہلے عربوں میں عورت کی کیا صورت حال تھی، اسے کیا حقوق حاصل تھے اور اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور قوانین میں عورت کو کیا مقام دیا گیا ہے۔

دور حاضر میں آزادیٔ نسواں، مساوات مرد وزن کا غلغلہ بلند ہے بے چاری عورت کو اس کے مصنوعی خیر خواہوں نے عورت کے سوا سب کچھ بنادیا ہے، بہت سے بے حیثیت اور پر مشقت کاموں کا بوجھ عورتوں کے کندھوں پر ڈال کر آزادیٔ نسواں کا دم بھرنے والے خوش ہیں کہ انہوں نے عورتوں کو ان کا مقام دلوایا اور آزادی سے ہم کنار کیا، عورتوں کی صنفی خصوصیات کو نظر انداز کر کے انہیں ہر میدان عمل میں گھسیٹ لایا گیا ہے۔

ان حالات میں عورت کے تعلق سے اسلام کی انقلابی تعلیمات کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، لہٰذا عورت کے بارے میں اسلام کی اصلاحی وانقلابی تعلیمات کی اہمیت پوری طرح اجاگر کرنے کے لئے ماضی کا آئینہ دکھانا ضروری ہے۔

قدیم انسانی تاریخ میں یونان وروم تہذیب وتمدن کے عظیم ترین مرکز تھے، ہزاروں سال تک فلسفۂ یونان کا غلغلہ بلند رہا، اس سرزمین کی خاک سے افلاطون وارسطو جیسے قد آور فلاسفہ اور بانیان علوم وفنون پیدا ہوئے لیکن یونان وروم میں عورتوں کی صورت حال کیا تھی، انہیں کیا حقوق حاصل تھے

اس کی تفصیل تاریخ اخلاق یورپ کے مصنف لیکی سے سنئے:

''بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بے غایت پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی، وراثت میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا، طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا، تاہم عملاً وہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی، کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس حیا کے منافی تھا، افلاطون نے بے شبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا مگر یہ تعلیم محض زبانی تھی، عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی، ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا، معنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظت ملک کے کام آئے، اور اسپارٹا کے قانون میں یہ تصریح موجود تھی: مسن، ضعیف القویٰ شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ عقد میں دے دینا چاہئے تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو''۔

یہی مصنف رومی عورت کے بارے میں لکھتا ہے:

عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، خاندان میں جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنی بیوی، بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا، اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی، اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ لڑکی کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا، زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہوگیا، اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہوگئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا ہے ۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا''۔

فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاولی بان تمدن عرب میں لکھتا ہے:

''زمانۂ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان میں ایک قسم کی مخلوق سمجھی جاتی تھی، جن کا مصرف محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا، لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک بدنصیبی خیال کی جاتی تھی، اور ان کو زندہ دفن کر دینے کی رسم بہت عام تھی''۔

یہی مصنف چند صفحات بعد لکھتا ہے:

''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے جن کا مصرف صرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا، اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس عورت کو مار ڈالتے تھے، موسیو ژپ لانگ لکھتے ہیں، ''اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی ہونے کی امید نہ ہوتی مار ڈالتے تھے، وہی مصنف لکھتا ہے، ''جس وقت کسی عورت کا بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد ملک کی غرض سے اسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لئے اس کے خاندان سے عاریۃً لے لیتے، یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانے میں بھی بجز طوائف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے اور اسی وجہ سے بجز ان طوائف کے اور عورتوں میں کسی قسم کی تعلیم و تربیت بھی نہ تھی، زمانہ قدیم کے کل مصنفوں نے عورتوں کے ساتھ ایسی ہی سختی کی ہے، ہندوؤں کا قانون لکھتا ہے ''تقدیر طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اتنی خراب نہیں ہے جتنی عورت''۔ (تمدن عرب ص۳۷۲-۳۷۳)۔

اسلام میں عورت کا مقام

صنف نازک عورت کے بارے میں وحی آسمانی کی روشنی سے محروم قدیم وجدید مفکرین کے خیالات ونظریات کا مطالعہ کر کے انسانی ذہن کی نارسائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

کائنات کی تعمیر اور انسانی سماج کی تشکیل میں عورت مرد کے ساتھ برابر کی شریک رہی ہے نسل انسانی کی پرورش، افزائش اور تربیت میں عورتوں کا حصہ مردوں سے کچھ زیادہ ہی ہے، مرد اور عورت دونوں نے اپنی اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے کائنات کے نقشوں میں رنگ بھرا اور عالم انسانیت کی آبیاری کی، مرد کی تکمیل عورت سے اور عورت کی تکمیل مرد سے ہوتی ہے یہ دونوں بجلی کے ان دو تاروں کی طرح ہیں جن کے ملنے سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں اور فرحت بخش روشنی پھیل جاتی ہے، مرد اور عورت کو خالق کائنات نے زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کا رفیق مونس بنایا، دونوں ایک دوسرے کے سہارے سفر حیات آسانی کے ساتھ طے کرتے ہیں، ہر ایک کو دوسرے سے مشکلات جھیلنے اور حالات کی تلخیاں سہنے کا حوصلہ ملتا ہے، اگر انسان کی

زندگی ماں کی قربانی ومحبت بیوی کی وفا شعاری وموانست اور بہن کی بےلوث محبت سے محروم ہو جائے تو زندگی کی حرارت اور رونق وبہار رخصت ہو جائے۔

قرآن کریم جب نسل انسانی کی پرورش اور افزائش کا ذکر کرتا ہے تو پوری اہمیت اور وضاحت سے اس میں عورت کے رول کا بھی تذکرہ کرتا ہے، ارشاد باری ہے:

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلائے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (نساء۔۱)

قرآن پاک کی ایک دوسری آیت میں بڑی بلاغت سے انسانی زندگی کے لئے بیوی کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا گیا ہے:

اور اسی کے نشانات (وتصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت ومہربانی پیدا کر دی، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (روم ۲۱)

دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت کی فلاح حاصل کرنے کے راستے بھی مرد وعورت دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑائی اور شرافت کا معیار مرد یا عورت ہونا یا کسی خاص خاندان یا قبیلہ کا فرد ہونا نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ ارشاد باری ہے:

جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے، اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت ہی اچھا صلہ دیں گے۔ (سورہ نحل۔۹)

(جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے خدا نے بخششیں اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (سورہ احزاب۔۳۵)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ (سورہ حجرات۔۱۳)

عربوں کی رسم دختر کشی کا انسداد

اسلام سے پہلے عربوں میں عورت کو عادلانہ حقوق کیا ملتے اس بیچاری کا تو زمین پر وجود ہی ناقابل برداشت بار تصور کیا جاتا تھا، جس گھر میں لڑکی پیدا ہو جاتی وہاں صف ماتم بچھ جاتی، چہرے اتر جاتے، غم کے بادل چھا جاتے، لڑکی کا باپ ذلت اور رسوائی کے احساس میں ڈوب جاتا اور ہر قیمت پر اس ناپسندیدہ وجود سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا، لڑکی پیدا ہونے پر گھر والوں پر کیا گذرتی اور وہ لوگ کس کشمکش اور اضطراب میں مبتلا ہوتے اس کی تصویر کشی قرآن کی درج ذیل آیت میں بڑی بلاغت اور اختصار کے ساتھ کی گئی ہے:

جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس خبر سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے، دیکھو جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

دور حاضر میں پھر وہی قدیم جاہلیت لوٹ آئی ہے اگر چہ رنگ وروغن بدل گیا ہے لڑکی کی پیدائش کو نحوست اور بوجھ سمجھا جانے لگا ہے، اب تو میڈیکل سائنس کی ترقیات سے فائدہ اٹھا کر کوشش کی جاتی ہے کہ پیدائش سے پہلے ہی لڑکی کے ناپسندیدہ اور قابل نفرت وجود کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے، بہر حال قدیم اہل جاہلیت کو میڈیکل سائنس کی یہ سہولیات حاصل نہیں تھیں اس لئے وہ لوگ پیدائش کے بعد ہی اپنی جاہلیت کا مظاہرہ

کرپاتے تھے نومولود کے بارے میں جب معلوم ہوتا کہ وہ لڑکی ہے تو ان پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ،اوران میں سے بہت سے سنگدل نوزائدہ معصوم بچی کو زندہ دفن کردیتے ،لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا عربوں کے لئے کوئی نادر بات نہ تھی ،ایسے واقعات ان کے یہاں برابر پیش آتے تھے اس سلسلے کے بہت سے واقعات تفسیر ،حدیث اورتاریخ کی کتابوں میں درج ہیں ،جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

دور جاہلیت کی اس سنگدلانہ رسم دختر کشی کو روکنے کے لئے قرآن کریم نے قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی ہو پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی۔ (سورہ تکویر۹-۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفاکانہ رسم کی انتہائی سخت مخالفت کی، اسے بدترین قابل تعزیر جرم قراردیا، کبائر (بڑے گناہوں) میں اس کو شمار فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت اور ذہن سازی کی کہ ان میں سے جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عمل دختر کشی کا ارتکاب کیا تھا وہ سخت پریشان اور نادم ہوئے اور فکر مند ہوئے کہ ان کا یہ گناہ کسی طرح معاف ہو، ماضی میں انہوں نے جو گناہ کیا تھا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعتراف کرکے اس کی تلافی کی شکل دریافت کرتے، ایک صحابیؓ نے اعتراف کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا، ایک دوسرے صحابی نے بارہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا اعتراف کیا۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، سنن دارمی کی روایت ہے:

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ''ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں اولاد کو قتل کرتے تھے میری ایک بچی تھی جو مجھ سے بہت مانوس ہوگئی تھی، جب کبھی میں اس کو بلاتا تو وہ بہت مسرور ہوکر میرے پاس آتی، میں نے ایک روز اسے بلایا تو وہ میرے پیچھے چلی آئی، میں نزدیک کے ایک کوئیں کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں جھونک دیا، وہ اس وقت بھی ابا ابا کہتی رہی'' یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہوگئی''۔

عرب جاہلیت میں جب عورتوں کو جینے کا حق پانا مشکل تھا تو انہیں ملکیت اور وراثت کے حقوق کیا ملتے، عورت ملکیت اور میراث کیا پاتی، بسا اوقات تو وہ خود میراث میں دوسرے املاک کی طرح مرنے والے کے مرد وارث کی طرف منتقل ہوجاتی اور اپنے سوتیلے لڑکے کی ملکیت قرار پاتی۔

جاہلیت میں عورتوں کی بے توقیری

جو لڑکیاں زندہ درگور ہونے سے بچ جاتیں اور نکاح کے بعد ازدواجی زندگی گزارتیں ان کی حالت بھی ابتر تھی، ان کی عزت باندی اور نوکرانی سے زیادہ نہیں تھی۔ مرد بیک وقت جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کرتا، ایک ساتھ دس بارہ عورتوں کا نکاح میں ہونا عرب سوسائٹی میں کوئی نادر بات نہیں تھی، شوہر جتنی بار چاہتا طلاق دیتا پھر رجوع کرلیتا اور عورت کو لٹکائے رہتا، اسلام سے پہلے عموماً سوسائٹی میں عورت ذلیل اور بے قیمت تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہدایات نازل کیں اور ان کا حصہ مقرر کیا''۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۵)

مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ (سورہ نساء-۱۹)

کے شان نزول میں ذکر کی جانیوالی روایتوں میں طبقہ نسواں پر ہونے والے مظالم کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے صحاح کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''دور جاہلیت میں جب کسی شخص کا انتقال ہوتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے سب سے زیادہ حق دار ہوتے، ان میں سے اگر کوئی چاہتا اس عورت سے شادی کرلیتا، اور اگر وہ لوگ چاہتے اس کی شادی کہیں اور

کر دیتے اور اگر چاہتے اس کی شادی نہ کرتے، غرضیکہ میت کے ورثاء اس بیوہ عورت کے گھر والوں کے مقابلہ میں اس عورت کے زیادہ حق دار ہوتے اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

''زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص لڑکی چھوڑ کر مرتا تو مرنے والا کا دوست اس لڑکی پر کپڑا ڈال کر لوگوں کو اس سے نکاح کرنے سے روک دیتا، اگر وہ لڑکی خوبصورت ہوتی تو خود اس سے نکاح کر لیتا اور اگر بدصورت ہوتی تو اسے بے نکاح روکے رکھتا یہاں تک کہ اس لڑکی کا انتقال ہو جائے اور وہ اس شخص کی میراث ہتھیا لے''۔

زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

''دور جاہلیت میں اگر اہل مدینہ میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو جو اس کے مال کا وارث ہوتا وہی اس کی بیوی کا وارث ہوتا اور اسے نکاح سے روکتا یہاں تک کہ (اس کے مرنے پر) اس کی میراث بھی پا جائے، یا جس سے چاہتا اس کا نکاح کر دیتا''۔

مشہور مفسر مجاہد کہتے ہیں کہ جب کسی مرد کا انتقال ہوتا تو اس کا بیٹا اس کی بیوی کا سب سے زیادہ حق دار مانا جاتا، اگر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا، بشرطیکہ اس عورت کا لڑکا نہ ہو یا اپنے بھائی بھتیجا جس کے ساتھ چاہتا اس کا نکاح کر دیتا۔

نوٹ: یہ تمام روایتیں تفسیر ابن کثیر سورہ نساء آیت ۱۹ سے لی گئی ہیں۔

تصور نحوست پر کاری ضرب

زمانہ جاہلیت میں عورت ظلم اور ذلت کی جس کھائی میں پڑی ہوئی تھی، اس کی طرف اجمالی اشارہ اس لئے کر دیا گیا تا کہ اسلام نے عورت کو اٹھانے اور سماج میں باعزت مقام دینے کے لئے جو اصلاحی اور انقلابی اقدامات کئے ان کی اہمیت اور صحیح قدر و قیمت پہچانی جا سکے۔

اسلام نے اس سلسلے میں صرف اخلاقی تعلیمات دینے یا قوانین بنانے پر اکتفا نہیں کیا، دل و دماغ بدل ڈالنے، عورتوں کی نحوست اور ذلت کے بارے میں ہزار ہا سال پرانے تصورات اکھاڑ پھینکنے، سماج کی تربیت اس انداز سے کی کہ عورت کو عزت و اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

اہل عرب لڑکی کی پیدائش نحوست و ذلت تصور کرتے تھے، بعض اہل عرب تو لڑکی پیدا ہونے پر وہ مکان ہی چھوڑ دیتے، جہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی، اسلام نے اس بداعتقادی کی اصلاح فرمائی اور یہ بات ذہن نشین کرائی کہ لڑکی لڑکا سب اللہ کا عطیہ اور نعمت ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کسی کو لڑکا دیتا ہے، کسی کو لڑکی، کسی کو دونوں عطا کرتا ہے اور کسی کو دونوں سے محروم رکھتا ہے اللہ نے جس کے لئے جو فیصلہ کیا اس پر راضی رہنا چاہئے۔

تمام بادشاہت خدا کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا اور قدرت والا ہے۔ (سورہ الشوریٰ ۴۹ - ۵۰)

عورتوں کے بارے میں ذلت اور نحوست کے تصور پر کاری ضرب لگانے کے لئے ہی غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر لڑکیاں دی گئیں اور سب سے چھوٹی لڑکی حضرت فاطمہؓ سے آپ ﷺ کی نسل چلی، بچوں کی پیدائش تو ہوئی لیکن سب نو عمری ہی میں فوت ہو گئے۔

لڑکیوں کی پرورش کے فضائل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی پرورش اور ان کے ساتھ لڑکوں جیسا پیار و محبت کا برتاؤ کرنے کے بڑے فضائل بیان کئے اور اس پر جنت کی بشارت سنائی، اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ جس کے کوئی لڑکی ہو، اس نے لڑکی کو نہ زندہ دفن کیا نہ اس کی اہانت کی، نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (ابوداؤد، کتاب الادب باب فی فضل من عال یتامیٰ)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی تربیت کی، ان کا نکاح کرایا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، اس کے لئے جنت ہے۔ (ایضاً)

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا جس کے تین

لڑکیاں ہوں وہ ان پر صبر کرے اور اپنے سرمائے سے انہیں لباس پہنائے وہ لڑکیاں اس کے لئے آتش دوزخ سے حجاب بن جائیں گی۔ (الادب المفرد للبخاری باب من عال جارتین اوواحدۃ)۔

شرحبیل حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا، جس مسلمان کے بھی دو لڑکیاں ہوں وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اسے جنت میں داخل کرا دیں گی۔

بہنوں کی پرورش کے فضائل

جنت کی یہ بشارت لڑکیوں ہی کی پرورش تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر کسی شخص کی بہنیں ہیں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش اور تربیت کرتا ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اسے بھی جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔

''حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جس کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں، وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا''۔ (الادب المفرد باب من عال ثلاث اخوات)۔

کتاب وسنت کی ان تعلیمات سے عرب سماج کی کایا پلٹ گئی، معاشرہ میں عورتوں کو انتہائی باعزت مقام حاصل ہوا، لڑکیاں اور بہنیں نحوست اور بوجھ کے بجائے باعث خیر و برکت سمجھی جانے لگیں، اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات نے مسلمانوں کا دل و دماغ کس طرح بدل ڈالا اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

''جنگ احد کے موقع پر حضرت جابرؓ کے والد نے ان سے فرمایا: بیٹا ہوسکتا ہے کہ اس معرکہ میں دنیا سے کوچ کر جاؤں، میں تمہیں اپنی لڑکیوں کے بارے میں حسن سلوک اور خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں۔'' (مستدرک حاکم ج۴ص۲۰۴)۔

چنانچہ یہی حادثہ پیش آیا، حضرت جابرؓ کے والد نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا، حضرت جابرؓ اس وقت جوان رعنا تھے، ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، ان کی نو بہنیں تھیں، ان سب کے اخراجات اور پرورش کا بوجھ ان کے سر پر آ گیا، انہوں نے اپنی بہنوں کی نگہداشت اور آرام کی خاطر کنواری کے بجائے ایک بیوہ سے نکاح کیا، حضور اکرمؐ نے دریافت کیا کہ کسی نوعمر دوشیزہ سے نکاح کیوں نہیں کیا تو انہوں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ میرے باپ غزوہ احد میں شہید ہو گئے اور نو لڑکیاں چھوڑ گئے جو میری بہنیں ہیں، ان کے خیال سے مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ انہیں جیسی ایک اور ناتجربہ کار لڑکی ان کے ساتھ جمع کر دوں، اس لئے میں نے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا جو ان کے بالوں میں کنگھی کر سکے ان کی دیکھ بھال کر سکے، حضور ﷺ نے فرمایا ٹھیک کیا۔ (بخاری کتاب المغازی باب اذا ھمت طائفتان)۔

حضرت جابرؓ جیسے جواں سال کا ایک بیوہ سے نکاح کرنے کا فیصلہ فکر و نظر کے اس عظیم انقلاب کی نشاندہی کرتا ہے جو اسلام کی ذہن سازی اور تربیت کی وجہ سے دل و دماغ کی دنیا میں برپا ہو گیا تھا، کہاں یہ صورت حال تھی کہ ظالم باپ کا پنجۂ خونیں معصوم، بے گناہ بچیوں کو فنا کے گھاٹ اتار رہا تھا، بے رحم باپ پیاری بچی کو کنویں میں دھکیل کر موت کے آغوش میں اتار دیتا، اس ننھے سے وجود کی ابا ابا کی صدا اس کے جذبہ پدری میں کوئی تموج نہیں پیدا کرتی، اور کہاں یہ اخلاق و شرافت اور قربانی کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ جواں سال بھائی اپنی بہنوں کے آرام اور نگہداشت کے خیال سے اپنے جذبات شباب کو قربان کر کے دوشیزہ کے بجائے ایک سن رسیدہ بیوہ سے نکاح کرتا ہے، دل و دماغ کی دنیا کا یہ عظیم انقلاب نبوت محمدیؐ کا اعجاز نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

بیوہ اور مطلقہ عورت کی کفالت کی فضیلت

دنیا کے اکثر مذاہب اور قوانین میں نکاح کے بعد عورت کا رشتہ اپنے خاندان سے کٹ جاتا ہے اور وہ شوہر کے گھر کا ایک فرد بن جاتی ہے، اس کا مستقبل ہمیشہ کے لئے شوہر سے وابستہ ہو جاتا ہے، اپنے مرز بوم، والدین اور خاندان والوں سے اس کا رشتہ اس طرح کٹ جاتا ہے کہ اگر شوہر اسے طلاق دیدے یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو بھی وہ اپنے میکے آ کر گھر کے ایک فرد کی طرح باعزت زندگی نہیں گزار سکتی، وہ مجبور ہوتی ہے کہ انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ شوہر کے گھر پڑی رہے یا دربدر کی ٹھوکریں کھائے، حالانکہ شوہر کی وفات یا طلاق کی صورت میں عورت کو اگر کچھ راحت اور مدد مل سکتی ہے تو اپنے والدین، بھائیوں اور میکے والوں کے سائے میں مل سکتی ہے۔

تمام مذاہب اور قوانین کے برخلاف اسلام میں نکاح کے بعد بھی عورت کا اپنے میکہ سے اسی طرح رشتہ استوار رہتا ہے جس طرح شادی سے پہلے تھا، جس عورت کو طلاق دیدی گئی یا اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اسلام کی نظر میں اس کے لئے مناسب مسکن میکہ ہے ایسی صورت میں میکہ والوں (باپ بھائی وغیرہ) کی ذمہ داری ہے کہ اس عورت کا خرچ اٹھائیں، اس کی نگہداشت اور راحت کا پورا خیال رکھیں، اس کے لئے کوئی نیا مناسب رشتہ طے کرنے کی فکر کریں، اسلام میں مطلقہ اور بیوہ عورت (خواہ لڑکی ہو یا بہن وغیرہ) پر خرچ کرنا بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشمؓ سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے عظیم ترین صدقہ نہ بتاؤں؟ انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا تمہاری وہ لڑکی جو (طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے) تمہارے پاس واپس کردی گئی ہو، تمہارے علاوہ کوئی کما کر اسے کھلانے والا نہ ہو''۔ (الادب المفرد للبخاری، باب فضل من عال ابنتہ المردودۃ)

بیوی کے حقوق کی ادائیگی

عورتوں کے حقوق ملکیت کا اسلام نے اس قدر اہتمام کیا کہ نکاح کے وقت مہر کے نام پر جو خطیر رقم عورت کے لئے طے کی جاتی ہے اس کی ادائیگی پر قرآن کریم نے بار بار زور ڈالا ہے اور مہر کے تفصیلی احکام صراحتہ قرآن پاک میں ذکر کئے گئے ہیں، حالانکہ جزئی اور عملی احکام کی تفصیل قرآن پاک میں بہت کم بیان کی گئی ہے، قرآن کریم میں زیادہ تر عقائد، اخلاق اور اصولی احکام کا بیان ہے مہر کی ادائیگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور عورتوں کو ان کی مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔ (سورہ نساء-۴)

قرآن کریم کی متعدد آیات میں مہر ادا کرنے کی تاکید اور مہر کے جزئی احکام مذکور ہیں، اگر میاں بیوی کے درمیان نا اتفاقی اور عدم ہم آہنگی کی وجہ سے شوہر رشتہ نکاح ختم کرنا چاہتا ہو تو بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بیوی کو دیئے گئے تحائف اور مہر کی رقم کا کوئی حصہ بیوی سے واپس لے خواہ تحائف اور مہر کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو، اس بارے میں قرآنی حکم کی صراحت اور بلاغت ملاحظہ ہو:

اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا، کیا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اس سے اپنا مال واپس لو گے، اور تم دیا ہوا مال کیوں کر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہے۔ (سورہ نساء: ۲۰-۲۱)

بیوی کو اسلام نے خادمہ اور نوکرانی کے بجائے رفیقۂ حیات بنایا، اسلامی تعلیمات کی برکت سے بیوی تحت الثریٰ سے اٹھ کر اوجِ ثریا تک پہونچ گئی، کتاب وسنت میں بار بار عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عورتوں کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرنے کی وصیت قبول کرو۔ **(بخاری ومسلم)**

کبھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بہتر پونجی قرار دیا۔

(اس حدیث کی طرف اشارہ ہے ''الدنیا کلھا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ'')

عورتوں کو ذلت وخواری کے غار سے نکال کر بام عروج تک پہونچانے کے لئے اس تیزی سے احکام نازل ہو رہے تھے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

عہد نبوی میں ہم لوگ اپنی عورتوں سے گفتگو کرنے اور بے تکلفی برتنے میں بھی ڈرتے تھے کہ مبادا ہمارے بارے میں کوئی حکم نہ نازل ہو جائے، نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہم ان سے بے تکلفی برتنے لگے۔ (بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء)۔

مرض الموت کی شدت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے حقوق کا مسئلہ یاد رہا اور رحمت عالم ﷺ نے امت کو مرض الموت میں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ☆☆☆

انفاق اور کنجوسی

علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی
رکن اساسی بورڈ

انفاق کا مطلب ہے غریبوں کی مدد کرنا اور پیسے کو اچھے کاموں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ انفاق اور فیاضی قناعت کا لازمی نتیجہ ہے۔ قناعت کا مطلب ہے اللہ پر بھروسہ کرنا۔ جو خدا پر بھروسہ کرے گا وہ پیسے کو بٹور بٹور کر رکھنے کے بجائے اس کو اچھے کاموں میں صرف کرے گا اور اس سے غریبوں کی مدد کرے گا۔ کنجوسی خدا پر بھروسہ نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ کنجوس آدمی لاکھ اللہ اللہ کرے مگر اس کی کنجوسی بتا رہی ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اسے اپنے اللہ پر بھروسہ نہیں ہے۔

کنجوسی ایک اخلاقی خرابی ہے، جس کو قرآن کریم اور احادیث شریف میں بہت برا کہا گیا ہے۔ کنجوسی اس کا سبب ہے کہ سماج میں غریب کراہتے اور بلکتے رہیں جب کہ کچھ لوگ دولت بٹور بٹور کر تجوریوں اور بینکوں میں چھپا چھپا کر رکھیں۔

کنجوس آدمی اپنے لئے، اپنے گھر والوں کے لئے اور پورے سماج کے لئے عذاب بن جاتا ہے، وہ خود بھی کبھی چین وسکون سے نہیں رہتا اور دوسروں کا چین وسکون بھی ختم کرتا ہے۔ پیسے کی ہوس اس کو بے چین رکھتی ہے اور اس کی زندگی سے سکھ چھین لیتی ہے۔ اس کے گھر والے بھی سختیاں جھیلتے ہیں اور پیسہ ہوتے ہوئے بھی بھرپور زندگی نہیں بتاتے۔ سماج کو بھی اس کی دھن دولت سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی دنیا بھی خراب ہے اور آخرت بھی خراب ہے۔ دنیا میں بھی سکھ سے دور رہتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھی ناراض کرتا ہے۔ زندگی میں بھی عذاب ہے، زندگی کے بعد بھی عذاب ہے۔ خدا اس لیے ناراض کہ غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد نہ کر کے اپنی ذمہ داری نہیں نبھاتا۔ اس کے گھر والے اس لیے ناخوش کہ اس کی کنجوسی ان کی زندگی اجیرن کئے رہتی ہے۔ سماج کے لیے اس لیے برا ہے کہ دولت بٹور بٹور کر رکھتا ہے اور سماج کو خوشحال بننے میں آڑے آتا ہے۔

کنجوسی یا تو لالچ کا نتیجہ ہوتی ہے یا ڈر کا نتیجہ ہے، اور دونوں اسلام کے لحاظ سے بہت بری صفتیں ہیں۔ لالچ انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اچھے یا برے طریقے سے دھن دولت بٹور بٹور کر رکھے۔

کنجوسی اسلام اور توحید کی روح کے خلاف ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے اس کا سچا مالک تو اللہ ہی ہے۔ اس نے ہم کو زندگی دے کر چند دن کے لئے دھن دولت دے دیا یہ دھن و دولت ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ ساون کی دھوپ چھاؤں ہے ابھی ہے ابھی نہیں۔ اگر رہے گی بھی تو ہم نہ رہیں گے۔ اس لیے سمجھداری یہ نہیں کہ دھن دولت بٹور بٹور کر اکٹھا کریں، بلکہ سمجھداری تو یہ ہے کہ اس چند دن کی دولت سے ہمیشہ کے لئے سکھ کا انتظا کرلیں۔ ہم کو سمجھنا چاہئے کہ اس مال اور دولت کے اصلی مالک ہم نہیں بلکہ اصلی مالک تو خدا ہے۔ اس نے چند روز کے لئے امانت کے طور پر یہ دھن دولت ہم کو دی ہے۔ پھر یا تو یہ نہ رہے گا، یا ہم نہ رہیں گے۔ اس مال سے ہم کو وہ کام کرنا چاہئے جس سے اصل مالک خوش ہو۔ اچھے کاموں میں دل کھول کر مدد کرنا چاہئے، اس کے بے سہارا بندوں کو سہارا دینا چاہئے اور اگر اس مال سے ہم نے غریبوں کی مدد کی اور سماج کے پچھڑے لوگوں کو آگے بڑھایا تو اس سے دنیا میں بھی ہمارا نام رہ جائیگا اور اگر ہمارا مالک خوش ہو گیا تو مرنے کے بعد بھی سکھ ہی سکھ ہے۔ دھن دولت کی بہتات سے کیا خوش ہونا۔ ع

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ کنجوس آدمی اس کی طرح ہے جس نے بڑی محنت سے باغ لگایا مگر جب بڑھاپا آیا اور اس کو باغ کی زیادہ ضرورت ہوئی، اس وقت یکا یک بجلی گر پڑی اور پوری فصل ملیا میٹ ہو گئی۔ آدمی کو سب سے زیادہ سختی کا سامنا مرنے کے بعد کرنا ہوگا۔ کنجوس آدمی زندگی بھر محنت کرتا ہے مگر جب موت آ دبوچے گی اور لمبے سفر پر روانہ ہوگا تو کچھ پونجی ساتھ نہ ہوگی۔ اگر

مال کو اللہ کے بتائے راستے میں بھی خرچ کرتا تو نہ ختم ہونے والا سکھ ملتا۔ اگر کنجوسی کے بجائے اپنی دھن دولت کا ایک حصہ اچھے کاموں میں بھی لگایا ہوتا تو اس سختی کے وقت پونجی پاس ہوتی۔ اب اس کی دولت سے دوسرے تو گلچھڑے اڑا رہے ہوں گے مگر وہ موت کے بعد کی دنیا میں اپنے کو خالی ہاتھ پائے گا۔

کنجوس آدمی سمجھتا ہے کہ دھن اکٹھا کر کے بڑی سمجھداری کر رہا ہے، مگر سچائی یہ ہے کہ وہ پرلے درجہ کا احمق ہے، کیونکہ کنجوسی کے ساتھ ایک ایک پیسہ بچا کر رکھتا ہے، نہ تو زندگی میں سکھ اٹھاتا ہے، اور نہ مرنے کے بعد، ایسا کام کرتا ہے کہ دوسرے تو مزے اڑائیں اور خود خالی ہاتھ رہ جائے۔ ایسی چیز سے دل لگاتا ہے جو ساتھ جانے والی نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی اچھائی کے ساتھ نام لے گا نہ آخرت میں کام بنے گا۔ کنجوسی کی وجہ سے نہ غریبوں کے ساتھ اچھائی کی کہ وہ یاد کریں، نہ سماج کے ساتھ بھلائی کی کہ امر ہو جائے، نہ مالک کی مرضی حاصل کی کہ ہمیشہ کا سکھ ملے، اور اس سے زیادہ احمق اور کون ہوگا؟

سمجھدار تو وہ ہیں جو دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی، اپنے مالک کے بتائے راستے پر چلتے رہیں، جو غریبی میں عزت نہیں بیچتے اور اگر اللہ مال اور اسباب دیدے تو اچھے کاموں میں صرف کرتے ہیں اور سماج کے بچھڑے لوگوں کو سہارا دیتے ہیں۔

کنجوسی سے ترقی رکتی ہے—سماجیات کا بنیادی اصول:

سماج سے جب غریبی دور ہوتی ہے، دولتمندوں اور غریبوں میں جب فاصلہ کم ہوتا ہے تو سماج خوشحال ہوتا ہے، سماجی تناؤ ختم ہوتے ہیں، سوسائٹی میں چین اور سکون ہوتا ہے تو کھیتی باڑی، کاروبار، تجارت سب میں رونق آتی ہے۔ اس صورت میں پیسہ بھی زیادہ آتا ہے اور دھندا آگے بڑھتا ہے، دولت اور کمائی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اگر دھن دولت والے غریبوں کی مدد نہیں کرتے، بچھڑے طبقے کو اوپر نہیں اٹھاتے تو سماج میں تناؤ بڑھتے ہیں۔ غریب کنگال ہوتے چلے جاتے ہیں تو سماج ہنسا کا شکار ہو جاتا ہے۔ کاروبار ٹھپ پڑ جاتے ہیں، کمپنیاں دیوالیہ ہو جاتی ہیں۔ کسان کھیت کھلیان چھوڑ چھوڑ کر شہروں کا رخ کرتے ہیں تو شہروں کا امن وسکون بھی غارت ہو جاتا ہے۔ اس طرح خالص دنیوی سوچ کے لحاظ سے بھی کنجوسی ایک بہت بڑی برائی ہے، جو سماج کے لئے زہر ہے۔ دنیا کے لحاظ سے بھی کنجوس جو اپنے کو بڑا سمجھدار سمجھتا ہے پرلے درجے کا احمق ہے۔ وہ اس آدمی کی طرح ہے جو درخت کی شاخ پر بیٹھا اسی کو کاٹ رہا ہو یا بیچ منجدھار اپنی ناؤ میں چھید کر رہا ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود فیاض ہے اور فیاضی پسند کرتا ہے۔ وہ سخی ہے اور اس کو سخاوت پسند ہے۔ خدا کتنا فیاض ہے؟ اس نے بن مانگے ہم کو سب کچھ دیا ہے۔ بچہ ابھی دنیا میں نہیں آتا کہ ماں کی چھاتی سے دودھ کے سوتے ابلنے لگتے ہیں۔ ایسے خدا کو کنجوسی پسند نہیں۔ مال و دولت ہمارا حق نہیں۔ اگر وہ نہ دیتا تو ہم کیا کر سکتے تھے؟ یہ اس کی دین ہے، اس کی نعمت ہے۔ اس لئے ہم کو پرکھنے کے لئے ایک امانت دے رکھی ہے۔ اس کو اپنا حق نہیں بلکہ خدا کی امانت سمجھ کر صرف کرنا چاہئے۔

بخل اور حرص کی مذمت احادیث شریف میں:

۱- حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''حرص و بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں ہرگز جمع نہیں ہوتے''۔ (نسائی)

یعنی ایمان اور حرص و بخل، دونوں میں سے ایک ہی دل میں رہ سکتا ہے دونوں نہیں، کیونکہ ایمان تو یہ چاہتا ہے کہ آدمی مال کا پجاری نہ بنے اور جو کچھ مال کمائے اس میں سے دین پر بے سہارا لوگوں پر خرچ کرے، اور مال کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے اور بچا بچا کر رکھنے کی ذہنیت نہ دینی ضرورتوں میں خرچ کرنے دیتی ہے اور نہ بندگانِ خدا پر رحم کھاتی ہے۔

۲- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''زمانہ باہم (دنیا اور قیامت کا زمانہ) قریب ہوتا جائے گا اور اسی کے ساتھ عمل میں بھی کمی واقع ہوتی چلی جائے گی اور بخل و حرص (لوگوں کے دلوں میں) ڈالا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہرج کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''قتل قتل''۔

(ایک روایت کے الفاظ میں یہ ہے کہ زمانہ باہم قریب ہوتا جائے گا اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور فتنہ کا ظہور ہوگا اور بخل (دلوں میں) ڈالا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت کی یہ علامت ہے کہ لوگوں میں برائیاں بڑھتی چلی جائیں گی، علم اور عمل سے لوگ دور ہوتے جائیں گے، لوگوں میں حرص، تنگ دلی اور بخل بڑھ جائے گا، فتنے برپا ہوں گے، قتل اور خوں ریزی عام بات ہوگی)۔

۳- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"لازماً ہر ایک دن جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما، اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! روکنے والے (بخیل) کو تباہ کر"۔

فیاضی اللہ کو اس درجہ پسند ہے کہ خدا کا فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا اسے اور عطا فرما کہ تیری خوشنودی کے لئے وہ اپنا مال خرچ کرے۔ اس کے برعکس بخل خدا کو اتنا مبغوض ہے کہ خدا کا فرشتہ اس سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اپنا مال روک رکھنے والے کا مال تباہ و برباد کر دیا جائے کہ اس سے تیرے بندوں یا تیرے دین کو کسی نفع کی امید نہیں ہے۔

یہ جو فرمایا گیا کہ ہر روز جب لوگ صبح کرتے ہیں، لازماً یہ فرشتے اس طرح کی درخواست کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر روز دنیا میں فیاض بن کر گزارنا چاہئے نہ کہ بخل، تنگ دلی اور تنگ نظری کے ساتھ اس کا دن بسر ہو۔

۴- حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "آدمی میں یہ خصلتیں سب سے بری ہیں: غم انگیز شدت بخل و حرص، اور حد سے بڑھی ہوئی بزدلی"۔

برائیاں اور بری خصلتیں تو اور بھی ہیں لیکن اگر کسی کے اندر حرص و بخل اور بزدلی کا مرض پایا جاتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ معاملہ انتہائی تشویشناک (Serious) ہے اس لئے کہ تنگ دل اور بزدل شخص دین کی برکتوں اور اس کی لذتوں سے محروم ہوتا ہے۔ دین اگر ہمارے اندر سے بخل اور بزدلی کو دور نہ کر سکا تو آخر اس سے ہم فیض یاب ہی کیا ہوئے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ایک بزدل اور بخیل و حریص سے نہ بندگانِ خدا کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ایسا شخص دین حق کا خادم ہی ہو سکتا ہے۔

۵- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "فیاض خدا سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے اور جنت سے قریب ہے اور وہ دوزخ سے دور ہے۔ (دنیا میں کامیاب انسان وہ ہے جسے قرب خداوندی بھی حاصل ہو اور لوگوں کا بھی وہ منظور نظر ہو۔ جنت کا وہ مستحق ہو اور خدا کے عذاب یا دوزخ سے مامون و محفوظ ہو۔ فیاضی اور سخاوت آدمی کو خدا سے قریب کرتی ہے۔ سخی اور فیاض سے لوگ بھی محبت کرتے ہیں۔ اب جس کسی کو خدا کا قرب حاصل ہو اور جس سے بندگانِ خدا کو بھی کوئی شکایت نہ ہو، اس کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی ایسی خرابی نہ پائی جاتی ہو جس کی وجہ سے آدمی کے سارے اعمال اکارت جاتے ہیں، مثلاً کفر و شرک اور نفاق وغیرہ۔)

جبکہ بخیل اللہ سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور جنت سے دور ہے اور وہ دوزخ سے قریب ہے۔

(خدا کی خاص صفت فیاضی ہے وہ کسی بخیل کو اپنا قرب کیسے عطا کر سکتا ہے! بخیل اپنے بخل کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں سے بھی گر جاتا ہے۔ پھر جنت بھی ایسے شخص کی منتظر نہیں ہو سکتی۔ جنت کا استحقاق تو اخلاق کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اہلِ جنت تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اخلاق کے اعلیٰ مقام پر ہوں، بخیل اور تنگ دست شخص تو اخلاق سے عاری ہوتا ہے۔ کسی کا بخل جس چیز سے اسے قریب کرتا ہے وہ ہے خدا کا غضب اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ۔)

اور یقیناً ایک جاہل فیاض، اللہ کو ایک عبادت گذار بخیل سے زیادہ محبوب ہے"۔

اس لئے کہ جاہل فیاض کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو اصلاً زندگی میں مطلوب ہے یعنی روح کی کشادگی، نشاطِ قلب اور اخلاقِ حسنہ۔ جبکہ عبادت گزار بخیل اس سے محروم ہوتا ہے۔ وہ عبادت گزار تو کہلا سکتا ہے لیکن وہ کسی اعلیٰ کردار کا حامل نہیں۔

انفاق کی فضیلت:

۶- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ابنِ آدم! تو (میرے ضرورتمندوں پر) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا"۔ (بخاری و مسلم)

یعنی تو اگر لوگوں پر خرچ کرے گا تو میں تجھے مفلس نہ ہونے دوں گا بلکہ میری بخشش تجھ پر مزید ہوگی۔

۷- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے"۔

کسی شخص نے اگر کسی لغزش اور معصیت سے اپنے کو خدا کے غضب کا مستحق بنا لیا ہے تو صدقہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ صدقہ دے کر بندہ خدا کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بن جاتا ہے، اس کے علاوہ صدقہ کی برکت سے آدمی سوء خاتمہ اور بری موت سے محفوظ رہتا ہے۔ صدقہ کی برکت سے

اچھے اور نیک کاموں کی دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان مضبوط اور کامل ہوتا ہے۔ آدمی کو حق پر ثبات و استقامت کی توفیق ملتی ہے۔ اس لئے صدقہ کرنے والے کا انجام بخیر ہوگا۔ قرآنِ مجید میں بھی فرمایا گیا: ''والعاقبة للتقوٰی'' اور اچھا انجام تقویٰ کے لئے ہے۔ (۲۰:۱۳۲)

۸- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی ہے۔

(بالعموم لوگ صدقہ اس خوف سے نہیں دیتے کہ اس سے مال میں کمی آجائے گی۔ فرمایا گیا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، اس سے مال گھٹتا نہیں، اس میں برکت آتی ہے۔ صدقہ کے سبب دنیا میں بھی خدا کی مزید بخشش ہوتی ہے۔ آخرت میں جو کچھ عطا ہوگا وہ الگ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے: ''انفق ینفق علیک'' خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائیگا۔ (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ) قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے: ''وَمَآ اَنْفَقْتُم مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ '' تم جو کچھ خرچ کرتے ہو (خدا) اس کی جگہ تمہیں اور دیتا ہے''۔ (سبا: ۳۹)۔) اور قصور معاف کر دینے سے اللہ آدمی کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو سربلندی ہی عطا فرماتا ہے''۔

(کسی کا قصور معاف کر دینے سے آدمی چھوٹا نہیں ہو جاتا بلکہ اخلاقی لحاظ سے وہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے درمیان اللہ اس کو باعزت زندگی عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی خوشنودی کے لئے تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے تو اس عمل سے وہ اپنے کو پستی میں نہیں گراتا بلکہ اپنی فطرت کے تقاضے پورے کر کے بلندی اور رفعت حاصل کرتا ہے اللہ اسے ایسی عزت اور سربلندی عطا فرماتا ہے جس کا حصول کسی دیگر تدبیر سے ممکن ہی نہیں ہے۔

۹۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں وہ یہ ہیں: ''بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا اور جس بندے پر ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ اس پر صبر کر جائے تو لازماً خدا اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جس بندے نے سوال کا دروازہ کھولا، خدا اس کے لئے فقر و افلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے''۔

۱۰۔ مصعب بن سعدؓ کہتے ہیں کہ سعدؓ نے اپنے بارے میں یہ خیال کیا کہ انہیں اپنے سے کمتر پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں (خدا کی طرف سے) مدد اور رزق تمہارے انہی کمزوروں (اور فقیروں) کی وجہ سے ملتا ہے۔ (بخاری)

یعنی کسی شخص کا کمزوروں اور غریبوں کے مقابلہ میں اپنے کو بلند مرتبہ سمجھنا نادانی ہے۔ خدا کتنے ہی لوگوں کو محض کمزوروں اور مسکینوں کی وجہ سے اور انکی دعاؤں کی برکت سے رزق دیتا ہے اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں فتح و نصرت عطا فرماتا ہے اس لئے کمزوروں اور غریبوں کی وقعت گھٹانا ٹھیک نہیں ہے بلکہ مالداروں کا فرض ہے کہ وہ ضعیفوں اور غریبوں کے حقوق کو پہچانیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

صدقہ کا وسیع مفہوم

۲۷۔ حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلم شخص اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے''۔

یعنی اس پر بھی وہ اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ مومن جب دوسروں پر خرچ کرتا ہے اس وقت بھی اصلاً خدا کی خوشنودی ہی اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے اور جب وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اس وقت بھی وہ خدا ہی کی رضا کا جویا ہوتا ہے، ایک ہی کردار ہے جس کا مظاہرہ مومن کی زندگی میں مختلف حالتوں میں ہوتا ہے۔ اپنی روح کے اعتبار سے اس کا ہر عمل صدقہ ہے۔

۲۸۔ حضرت سلیمان بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''کسی مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور کسی (ضرورتمند) عزیز کو دینے میں دو پہلو ہیں، وہ صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی ہے''۔

یعنی کسی ضرورتمند عزیز پر خرچ کرنے سے صدقہ کے علاوہ صلۂ (رحم) کا بھی اجر ملتا ہے، اس لئے کہ اس نے صدقہ ہی نہیں کیا بلکہ صدقہ دے کر اپنے عزیز کے ساتھ سلوک بھی کیا۔

۲۹۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا: یا رسولؐ! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو غریب شخص اپنی محنت کی کمائی سے کرلے (یعنی غریب شخص جب اپنی محنت کی کمائی سے خرچ کرتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا صدقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے)۔

☆☆☆

مسلم شناخت وسکونت-تعلیم وروزگار کے مسائل

ڈاکٹر اوصاف احمد
ایڈیٹر مطالعات، نئی دہلی

ہم نے اسلام کو ہمیشہ اپنے مذاہب میں سے ایک سمجھا ہے۔ ہندوستان میں اسلام پھلتا پھولتا رہے گا، ہمارے تہذیبی نقش ونگار میں ہر چیز کو اپنی شکل اور اپنا رنگ سلامت رکھنے کی اجازت ہے۔ ہندوستان کے مسلمان، اس کی قومی زندگی میں اس کے پیداواری عمل میں اس کی سیاست ومعیشت، تجارت وتعلیم، اس کے فنون اور ثقافت، میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ ہر وہ موقع جو ایک ہندوستانی کو مہیا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی کھلا ہے۔ہم کسی مذہب کے پیروؤں کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتتے۔

مسز اندرا گاندھی

وزیر اعظم ہند

[۲۸/جنوری کو وگیان بھون، نئی دہلی میں پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے موقع پر ایک بین الاقوامی سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے۔]

۹/مارچ ۲۰۰۵ء کو حکومت ہند نے ملک میں مسلمانوں کی مشہور زمانہ سماجی، معاشی اور تعلیمی پس ماندگی سے متعلق مسائل کا جائزہ لینے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا تقرر کیا، جو اپنے صدر نشیں جسٹس راجندر سچر کے نام پر سچر کمیٹی کہلائی۔ کمیٹی سے کہا گیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی اعمال، ان کے جغرافیائی پہلوؤں، ان کے اثاثوں، اور آمدنی کی سطح، ان کو ملنے والی سہولتوں، بینک کے قرضوں، اور حکومت سے ملنے والی امداد وخدمات کا جائزہ لے۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے کمیٹی کو حکومت کے مختلف شعبوں اور فائلوں تک رسائی دی گئی تا کہ وہ اپنی ضرورت کے اعداد وشمار جمع کر سکے۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ ۳۰/نومبر ۲۰۰۶ء کو لوک سبھا میں پیش کی گئی گو کہ تا دم تحریر (اواخر جنوری ۲۰۰۸ء) اس پر بحث کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم امید کی جانی چاہئے دیر یا سویر، کمیٹی کی رپورٹ زیر بحث آ ہی جائے گی، کیونکہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی پس ماندگی کے مسائل پر کسی سرکاری کمیٹی کی رپورٹ ایوان کے سامنے رکھی گئی ہو، گو کہ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ ایسی کسی کمیٹی کا تقرر کیا گیا ہو، کمیٹی نے اپنی رپورٹ کی ابتداء میں ہی کہا ہے "گو کہ (ہندوستانی) مسلمانوں کی محرومی کا تاثر عام ہے تاہم ملک کی مذہبی اقلیتوں کی صورتحال کا تجزیہ کرنے کی کوئی منظم ومنضبط کوشش نہیں کی گئی۔ (صفحہ ۳)

سچر کمیٹی کے تقرر سے کافی پہلے ۸۰ کی دہائی میں ہی یہ اعتراف کرتے ہوئے "کہ یہ احساس عام ہو رہا ہے کہ حکومت اور ریاستی حکومتوں کی پالیسیوں کے فائدے اقلیتوں (یعنی مسلمانوں)، مندرج فہرست ذاتوں اور قبائل اور معاشرے کے دوسرے کمزور حصوں کو نہیں پہونچ پاتے، ۱۰/مئی ۱۹۸۰ء کو ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا تقرر کیا کہ وہ ان احساسات کی چھان بین کرے اور اگر یہ احساس درست پائے جائیں تو ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے ذریعہ یہ فوائد ان کمزور طبقات تک پہونچ سکیں۔ کمیٹی نے ۱۴/جون ۱۹۸۳ء کو اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دی، لیکن اس وقت کی حکومت نے بوجوہ اس کو لوک سبھا (ایوان زیریں) میں پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ ان مسائل پر قومی سطح کی بحث کا آغاز ہو سکتا ہے۔ یہ رپورٹ حکومت کے سرد

خانوں میں ایک عرصہ تک دھول کھاتی رہی تا آنکہ وی پی سنگھ کی قیادت والی حکومت نے اس رپورٹ کو جاری کرنے کا فیصلہ کردیا۔ پارلیمنٹ میں بحث پھر بھی نہیں ہوئی۔ تاہم آزادی کے بعد سماجی علوم کے بعض ماہرین نے اس جانب کوششیں کیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی و معاشی صورت حال کا عملی تجزیہ کریں اور اس ضمن میں شواہد جمع کریں، اس ضمن میں اوصاف احمد، مشیرالحسن، عمر خالدی اور رفیق زکریا کی کوششوں کا ذکر خاص طور پر کیا جاسکتا ہے، ان لوگوں کی کتابیں گذشتہ پندرہ سال کے عرصے میں شائع ہوئیں۔ اور اب تک تو اس موضوع پر اچھی خاصی کتابیات جمع ہو سکتی ہے۔

سچر کمیٹی کے سپرد جو معاملات کئے گئے وہ اس سے بھی وسیع تر تھے جو گوپال سنگھ پینل کے حوالے کئے گئے تھے۔ بالخصوص کمیٹی سے مندرجہ ذیل معاملات پر توجہ دینے کے لئے کہا گیا۔

۱۔ ان ریاستوں، علاقوں، ضلعوں، اور بلاکوں کی نشان دہی جہاں ہندوستان کے مسلمان آباد ہیں۔

۲۔ ان کے معاشی اعمال کا جغرافیائی طرز۔

۳۔ ان کے اثاثوں کی بنیاد اور آمدنی کی سطح (ریاستی اور ضلعی سطح پر دوسرے گروہوں کے مقابلہ میں)۔

۴۔ مختلف ریاستوں میں دوسری پس ماندہ ذاتوں میں مسلم پسماندہ ذاتوں کا تناسب۔

۵۔ حکومت اور دوسرے سرکاری اداروں کے ذریعہ دی جانے والی شہری خدمات، طبی سہولتوں اور تعلیم تک مسلمانوں کی رسائی۔ سچر کمیٹی رپورٹ انہیں مسائل کے گرد گھومتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی اور معاشی صورتحال کے بارے میں یہ ایک تفصیلی دستاویز ہے جو ۱۲/ابواب اور ۴۰۰ صفحات پر محیط ہے ان میں سے ۲۴۰ صفحات میں تو رپورٹ کا متن ہے اور بقیہ صفحات میں شماریاتی معلومات اور ضمیمے ہیں۔

مسلم شناخت کا مسئلہ:

سچر کمیٹی رپورٹ آزادی کے بعد غالباً پہلی سرکاری دستاویز ہے جس میں کھل کر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہندوستانی مسلمان شناخت کے مسئلہ سے دوچار ہیں اور یہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش دوسرے مسائل کے حل میں بھی رکاوٹ بنتا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے:

''بہتوں کے لئے مسلمان کی حیثیت سے پہچانا جانا دشواریوں کا سبب بنتا ہے، مسلم شناخت کی نشانیاں، برقع، پردہ، اور ٹوپی وغیرہ گو کہ ہندوستانی مسلمانوں کو امتیازی حیثیت بخشتی ہیں لیکن عام زندگی میں ان کے لئے تشویش کا باعث بھی ہیں، مسلم مردوں کو اگر ڈاڑھی رکھے ہوئے ہیں یا ٹوپی پہنے ہوئے ہیں تو انہیں پارکوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بازاروں سے تفتیش کے لئے سب سے پہلے بلایا جاتا ہے۔ کمیٹی کو بعض عورتوں نے بتایا کہ پردہ نشیں عورتوں کے لئے کارپوریٹ زمرۂ کار میں ملازمت پانا انتہائی دشوار ہے۔ برقع پہننے والی عورتوں نے بازار، اسپتالوں، اسکولوں، اور عوامی اہمیت کی جگہوں جیسے ریلوے اور بسوں میں نامناسب برتاؤ کی شکایت کی۔ (صفحہ۱۲)

اس سلسلے میں یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ برقع، ڈاڑھی، اور ٹوپی کو مسلم شناخت کی نشانیاں قرار دے کر سچر کمیٹی مسلمانوں کے ایک خاص تصور کو فروغ دے رہی ہے، گو کہ کمیٹی نے اپنے ارادوں کو ''ہندوستانی مسلمانوں کے امتیازی نشانات'' کے پیچھے چھپانا چاہا ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ کمیٹی بھی میڈیا کے اس تصور سے ہم آہنگی محسوس کرتی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کا تذکرہ آجائے تو اسکرین پر ایک ناخواندہ شخص کی تصویر ابھرتی ہے جو ڈاڑھی رکھے ہوئے ہو، کرتا، پائجامہ، یا لنگی میں ملبوس ہو، اور ٹوپی لگائے ہو۔ اب آج کل تو اس تصویر پر ایک دہشت گرد کی تصویر حاوی آگئی ہے، جو دھمکی آمیز انداز میں پستول یا کلاشنکوف لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا کمیٹی کو یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ ٹوپی، برقع اور ڈاڑھی اس طرح اسلامی عقیدے کا جز

نہیں ہیں جس طرح پگڑی، کڑا، اور داڑھی سکھ عقیدے کا جز ہیں۔ لاکھوں مسلمان ہیں جو نہ تو داڑھی رکھتے ہیں اور نہ ٹوپی پہنتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں مسلمانوں کی روایتی شناخت کا جز ہوں۔ لیکن فی زمانہ مسلم شناخت ان نشانیوں تک ہی محدود نہیں۔ آج کل کروڑوں ایسے مسلمان مل جائیں گے جو کم از کم شبیہ کی حد تک ''دوسروں'' سے بڑی مماثلت رکھتے ہیں، لیکن جیسے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے ضرر سا معصوم آدمی ''مسلمان'' ہے لوگوں کا رویہ بدل جاتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل چشم کشا واقعہ سن لیجئے۔

دہلی کے نواح میں ایک فیشن ایبل کیفے میں جہاں انگریزی بولتے ہوئے لڑکے اور لڑکیاں خدمات انجام دیتے ہیں، اس ریستوراں کا دستور یہ ہے کہ جب آپ اپنا آرڈر لکھائیں تو اپنا نام بھی لکھا دیں تاکہ بعد میں لڑکے لاؤڈ اسپیکر پر پکار سکیں۔

''مسٹر شرما، آپ کا آرڈر تیار ہے''۔

کمپنی نے یہ ترکیب اپنے گاہکوں سے ذاتی تعلق قائم رکھنے کے لئے نکالی ہے۔ چند دن قبل، کافی کے ایک گرما گرم پیالہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے میں اس ریستوران میں گھس گیا۔ چند اشخاص کیش کاؤنٹر کے پاس کھڑے تھے، جیسے ہی میں نے آپنا آرڈر لکھایا، کیشیر نے پوچھا:

یور نیم پلیز (your name please)

''احمد''

جیسے ہی میری زبان سے یہ لفظ نکلا ایسی خاموشی چھا گئی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو، کچھ لوگوں نے تو مجھے یوں پلٹ کر دیکھا جیسے میں ابھی ابھی مریخ سے اترا ہوں۔

سچر کمیٹی رپورٹ میں مسائل کے تاریخی اسباب سے بحث نہیں کی گئی لیکن ہمارے لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ شناختوں کے بحران، ہندوستانی سماج میں ۱۹۴۰ کی دہائی سے ہی موجود ہے جب ہندوستانی قومیت خود اپنی شناخت دریافت کرنے میں مشغول تھی۔ مسلم شناخت اور ہندوستانی شناخت کے درمیان کشمکش اس وقت سے موجود ہے۔ یہ کشمکش اس قدر تند و تیز تھی کہ ابوالکلام آزاد جیسے قوم پرست کو انڈین نیشنل کانگریس کی مجلس صدارت سے اعلان کرنا پڑا تھا کہ وہ ایک مسلمان بھی ہیں اور ہندوستانی بھی۔ جہاں ہندوستان کے مفادات کا سوال ہے وہ پہلے ایک ہندوستانی ہیں اور مسلمان بعد میں۔ لیکن اگر سوال اسلام اور اس کے مفادات کا ہو تو وہ پہلے ایک مسلمان ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک ہندوستانی ہیں اور اس حیثیت میں ہندوستان کی بہترین روایات کے وارث ہیں، لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ اسلام اور مسلمانوں کی بہترین روایات کے وارث بھی ہیں۔ اور یہ ورثہ بھی انہیں عزیز ہے۔

ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ شناخت کے مسئلہ پر خود ہندوستانی ذہن میں تضاد اور کشمکش موجود ہے، ہم سب کی مذہبی شناخت ہے! ہم سب کی علاقائی شناخت ہے۔ ان میں سے کس شناخت کو اوّلیت حاصل ہے اور کون سی شناخت ثانوی ہے۔ اس مسئلہ پر ہمارا ذہن صاف نہیں ہے۔ کبھی ہماری ہندوستانی شناخت ہماری دوسری شناختوں پر حاوی ہوجاتی ہے، خاص طور پر اس وقت جب ہمارا قومی مفاد خطرے میں ہو۔ دوسرے موقعوں پر ہمارے دوسرے مفادات ہمارے لئے زیادہ اہم ہوجاتے ہیں۔ ان موقعوں پر ہم پہلے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی ہیں اور ہندوستانی بعد میں، اسی طرح اپنے علاقائی مفادات کے تحفظ میں ہم پہلے بنگالی، پنجابی، گجراتی، مراٹھی، تامل، اور تیلگو ہیں، بعد میں کچھ اور! ہندوستانی ذہن کے پوشیدہ تعصبات اس وقت کھل کر سامنے آتے ہیں جب دو غیر تعلیم یافتہ، اجنبی، دیہاتی ہندوستانی ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے ہیں ایک طرف تو میزبان اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرے گا، جو کچھ بھی اسے میسر ہے، پانی دودھ، چھاچھ، مکھن، گڑ، اسے پیش کرے گا تو دوسری جانب گفتگو سے اس کے صدیوں پرانے تعصبات جھلکیں گے۔ پہلے تو مذہب کے بارے میں سوال ہوگا، ''کون دھرم ہو!'' اگر اس سوال

کا جواب صحیح ہوا یعنی میزبان اور مہمان کا دھرم ایک ہوا تو دوسرا سوال آئے گا ''کون جاتی ہو؟'' اگر اس سوال کا جواب بھی صحیح ہوا تو مہمان عزیز قبول ورنہ اس کو اس کی دھرم اور جاتی والے کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

مذہبی، علاقائی اور ذات پات کی شناخت ہمارے وجود کا ایک حصہ ہے، اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کرلیا جاتا۔ ان تعصبات کو دور ہونے میں بہت وقت لگے گا۔

سکونت کے مسائل:

سچر کمیٹی نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے پسندیدہ علاقوں میں مکان کرائے پر لینا، یا خریدنا بھی ایک مشکل کام ہے۔ اگر ایک طرف مالکان اپنی جائیداد مسلمانوں کو کرائے پر دینے یا فروخت کرنے پر ہچکچاتے ہیں تو دوسری جانب ایسی بھی اطلاعات ہیں کہ بعض ہاؤسنگ سوسائٹی کے ذمہ داروں نے مسلمانوں کو ممبر بنانے سے گریز کیا۔

سچر کمیٹی کے معزز ممبران کے لئے یہ کوئی ''نئی بات'' ہوگی لیکن دہلی اور ممبئی جیسے بڑے شہروں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے یہ کوئی ''نئی بات'' نہیں۔ یہ ان کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔ جب کوئی مسلمان کسی بڑے شہر میں کرائے پر مکان حاصل کرنے کے لئے ایجنٹ (دلّال) کے پاس جاتا ہے تو ایجنٹ مالک مکان کو اس طرح اطلاع دیتا ہے:

''مجھے توقع ہے کہ آپ کو لہسن، پیاز، میٹ، مچھلی وغیرہ پر تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا'' اگر مالک مکان کو اعتراض ہوا تو ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہے گا ''مجھے افسوس ہے، یہ مکان تو صرف سبزی خور حضرات کے لئے ہے۔ اگر اس مرحلہ پر اعتراض نہ ہوا اور بات معاہدہ پر دستخط کرنے تک پہونچی اور اس وقت معلوم ہوا کہ مکان کرائے پر چاہنے والا خان، صدیقی، فاروقی، یا احمد ہے تو مالک مکان کہے گا ''اچھا تو خان صاحب آپ کل تشریف لے آیئے۔ تب ہم تفصیلات طے کرلیں گے''۔ اگر خان صاحب اتنے ہی احمق ہوئے کہ اب بھی بات نہ سمجھے اور دوسرے دن واقعی پہونچ گئے تو ان کا استقبال اس طرح کیا جائے گا:

''اخاہ خان صاحب! خوش آمدید، لیکن آج آپ کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی، بھئی۔ مکان تو میں نے ابھی کوئی ایک گھنٹہ پہلے اٹھا دیا۔ میں تو آپ کا انتظار کرتا رہا، آپ مجھے بتا دیتے تو تھوڑا انتظار اور کرلیتا۔''

سچر کمیٹی کو اس بات سے تسلی ہوسکتی ہے کہ ہندوستانی سماج میں کوئی نئے نہیں ہیں۔ یہ رجحانات تو آزادی کے فوراً بعد ہی پیدا ہوگئے تھے، غالباً ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں جس کے لئے مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہرایا جارہا تھا۔ ۱۹۶۰ کی دہائی میں مشہور اردو افسانہ نگار کرشن چندر نے اس موضوع پر ایک ڈرامہ بھی لکھا تھا، ''جس کا عنوان تھا دروازے کھول دو'' یہ نہ صرف کتابی شکل میں مکتبہ جامعہ سے شائع ہوا بلکہ اس کا ایک ریڈیائی روپ آکاش وانی سے بھی نشر کیا گیا تھا۔ ڈرامہ کا مضمون یہ تھا کہ ایک مسلم سائنس داں کا تبادلہ ممبئی سے دہلی ہوجاتا ہے وہ دہلی میں کسی جدید علاقے میں مکان لینے کا خواہش مند ہے اور بوجوہ مسلم علاقوں میں نہیں رہنا چاہتا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے، دروازے بند پاتا ہے۔ (چنانچہ ڈرامے کا عنوان ''دروازے کھول دو'' اسی لئے رکھا گیا ہے)۔ بالآخر اس کو اپنی پسند کا مکان مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے لئے اسے اپنے آپ کو ایک ہندو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے شہر فرقہ وارانہ بنیادوں پر بٹ چکے ہیں، ہر بڑے شہر میں ایک فرقہ وارانہ لکیر موجود ہے جو شہر کو ہندو علاقہ اور مسلم علاقہ میں بانٹتی ہے۔ اب تو یہ زہر بڑے شہروں سے نکل کر چھوٹے شہروں تک میں پہونچ گیا ہے۔ اس طرح ہندو شہریوں کے لئے مسلم علاقوں میں بسنا مشکل ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم علاقے گندی بستیوں میں تبدیل ہوتے جارہے ہیں۔ یہ صورت حال فرقہ وارانہ فسادات کے وقت بہت کام آتی ہے۔

اچھے تعلیمی اداروں میں داخلے:

سچر کمیٹی نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اقلیتی شناخت

اچھے معروف اور معتبر تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے، اس ضمن میں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس معاملہ میں امتیازی برتاؤ کا حوالہ نہ صرف آسان ہے بلکہ ایک سیاسی ضرورت بھی ہے۔ سچر کمیٹی نے بھی یہی معروف اور آسان راستہ اختیار کیا ہے۔ راقم الحروف کا خیال اور تجربہ یہ ہے کہ اگر اقلیتی طبقہ کے کسی فرد کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا ہے تو یہ ایک اعزاز کی بات ہے۔ امتیازی برتاؤ اس کے اعلیٰ معیار اور قابلیت کا اعتراف ہے۔ مسلمانوں اور دوسرے ثقافتی گروہوں کی اعلیٰ تعلیمی اداروں سے غیر موجودگی یا کمی ایک حقیقت ہے جس کی وضاحت امتیازی برتاؤ یا پس ماندگی کی بنا پر آ جا سکتی ہے۔ اگر کسی کی درخواست اس بناء پر رد کر دی جاتی ہے کہ وہ داخلہ یا روزگار کے لئے کم سے کم اہلیت نہیں رکھتا تو اسے امتیازی برتاؤ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ امتیازی برتاؤ تو اس وقت ہوگا کہ درخواست گذار نہ صرف کم سے کم اہلیت رکھتا ہو بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اہل ہو لیکن ذات پات، علاقہ یا طبقہ یا مذہب کی بنیاد پر اس کا انتخاب نہ کیا جائے، تعصب اس مرحلہ پر اپنا کام کرتا ہے۔ کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تعصب کے بغیر امتیازی برتاؤ کا وجود ناممکن ہے، پہلے مرحلہ پر عام طور پر درخواستوں کی چھان بین کسی غیر امتیازی معیار کی بنیاد پر کی جاتی ہے، مثلاً: اہلیت، کسی لیاقتی ڈگری یا سرٹی فکٹ کا وجود، وغیرہ۔ اگر اسی مرحلہ پر کسی درخواست گذار کی درخواست رد ہو جاتی ہے تو اس کو امتیازی برتاؤ نہیں کہیں گے۔ امتیازی برتاؤ ہمیشہ لائق لوگوں کے خلاف ہوتا ہے۔ تعصب، اعلیٰ لیاقت (میرٹ) سے لڑنے کا ایک ہتھیار ہے۔ جب میرٹ کا مقابلہ میرٹ سے ناممکن ہوتا ہے تو تعصب سے کام لیتے ہیں۔

یہ واضح ہونا چاہئے کہ ہم ہندوستانی سماج میں تعصب کے وجود سے انکار نہیں کرتے۔ ایک ایسے سماج میں جہاں چھوت چھات کا رواج ہو، جہاں سیاست ذات پات اور بھید بھاؤ کی بنیاد پر ہوتی ہو، جہاں معاشی نابرابری اور علاقائی عدم مساوات کا وجود ہو۔ جہاں ذاتی اور گروہی مفادات کو قومی اور انسانی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہو۔ امتیازی برتاؤ اور تعصب کے وجود سے فی الفور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں، تاریخی وجوہات کی بناء پر بھی ہندوستان میں مذہبی بنیاد پر تعصب کے وجود کا خاصا امکان ہے۔ تاہم تجزیاتی مقاصد کی خاطر تعصب اور پس ماندگی کے اسباب کو الگ الگ رکھنا مناسب ہے کہ ان کے علاج بھی الگ الگ ہیں۔

روزگار کے مسائل:

سچر کمیٹی رپورٹ میں مسلم روزگار کے مسائل کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت چھوٹے موٹے کاروبار، غیر منظم زمرہ، اور چھوٹے پیانے کی دستکاری وصفت میں لگی ہوئی ہے، قرضوں کی کمی، جدید تکنیکی اصطلاحات کی قلت، جدید انتظام و انصرام کی کمی کے باعث اس زمرے میں آمدنی اور پیداوار میں اضافہ کے چنداں امکانات نہیں ہیں۔ نجی اور سرکاری زمرے میں مسلمانوں کی موجودگی، آبادی میں ان کی موجودگی سے کہیں کم ہے مزید برآں جیسے جیسے فیصلہ سازی کے مرحلوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، مسلمانوں کا تناسب مزید گھٹتا جاتا ہے۔ ان نتائج سے گوپال سنگھ پینل کے پہلے نتائج کی تصدیق ہوتی ہے۔ بعض محققین بھی ان نتائج کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس سے بھی مسلم طبقہ کی عام پسماندگی ظاہر ہوتی ہے کہ گذشتہ ۳۰-۲۵ سال کے عرصہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی حالت میں زیادہ فرق نہیں پڑا۔

ان تمام معاملات پر اور سچر کمیٹی کی تجاویز پر قومی سطح پر بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے تاکہ بیشتر معاملات کے اوپر ایک قومی اتفاق رائے ابھر سکے۔ ☆☆☆

بیان ان کا!

مولانا قاضی حسین احمد
رکن اساسی بورڈ

حسب حکم ارسال کردہ سوالات کے جوابات ارقام ہیں۔ مدرسہ کے مشاغل و دیگر اسفار کے باعث قدرے تاخیر ہوگئی، جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

۱۔ میری موجودہ عمر چھیاسٹھ (۶۶) برس کی ہے۔

۲۔ میری تعلیم و تربیت جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر، صوبہ بہار اور ہندوستان کی مشہور ومعروف یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی سے ہوئی۔

۳۔ میں ۱۹۷۲ء بمبئی میں منعقد ہونے والے مسلم پرسنل لا کنونشن سے بورڈ سے وابستہ ہوں۔

۴۔ میں جس زمانہ میں بورڈ سے متعلق ہوا اس وقت ملک منتشر و پراگندہ حالات سے دوچار تھا، حکومت ہند کی نگاہ یکساں سول کوڈ پر تھی اور مسلم دشمن عناصر کی زوردار تائید حکومت کو حاصل تھی۔ ٹھیک اسی موقع پر متبنّیٰ بل پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا۔ جس کے لئے اکابر فکر مند تھے، جس کے نتیجے میں عروس البلاد بمبئی میں تاریخی کنونشن کا انعقاد ہوا اور حکومت ہند کو اس اقدام سے روکا گیا اور حق تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔

۵۔ میرے نزدیک مثالی اسلامی معاشرہ، نکاح، طلاق، ہبہ، وصیت، وراثت اور حضانت وغیرہ سے متعلق معاملات ومسائل کا شرعی طور پر نافذ ہونا ہے۔

۶۔ بورڈ کے توسط سے ہندوستانی مسلمانوں کو یہ مشورہ ہے کہ وہ اپنے اخلاق واطوار کو شرعی سانچے میں ڈھالیں، اور اپنی گفتار و رفتار اور کردار سے انسانیت کا درس دیں، اور خود بھی شریعت اسلامیہ کے پابند رہیں، اور لوگوں کو بھی پابند رہنے کی تلقین کرتے رہیں، جس کے لئے مرکزی مقامات پر اجتماعات کئے جائیں اور صحیح سمت میں قدم رکھنے کی راہ بتائی جائے۔

۷۔ میں نے ملک کے شمالی حلقوں میں بالخصوص اتر بہار میں مختلف دورے کئے، ان دوروں میں ضلع سوپول، ضلع مدھے پورہ، ضلع سہرسہ، ضلع ارریہ کے حلقے قابل ذکر ہیں، بعض گاؤں میں اسلامی شریعت سے ناواقفیت ہے۔ اور بعض گاؤں جہالت و لادینیت، بدعات اور رسومات سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔

۸۔ میری اصلاحی وترمیمی کوششوں کا دائرہ صوبۂ بہار کے مختلف حلقوں میں رہا ہے اور اس کے نتائج بھی سامنے آئے ہیں کہ بہت حد تک امت میں اسلامی شعور بیدار ہوا، اور بدعات ورسومات کا قلع قمع ہوا۔

۹۔ میں اپنی زندگی میں مسلم شخصیتوں میں سے قدیم بزرگ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث قدس سرہٗ، حضرت امیر شریعت (رابع) مولانا سید منت اللہ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شاہ محمد ابرارالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ، اور حضرت امیر سادس مولانا سید نظام الدین صاحب

مدظلہ العالی سے متاثر ہوا۔ اوراس کے اسباب یہی ہیں کہ ان بزرگوں نے اپنے علم وعمل اورخداداد صلاحیتوں سے امت مسلمہ کوصحیح رخ پر لگانے کی سعی پیہم کی اور ہر موڑ پر پوری جسارت و جرأت کے ساتھ کچھ ایسا اقدام کر گئے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ اوران حضرات کے بتائے ہوئے راستوں کواپنا کر امتِ مسلمہ بام عروج پر پہونچ سکتی ہے۔

۱۰۔ میں نے اپنی زندگی میں تعلیمی ترقی اورملی ضرورتوں کوسامنے رکھ کر مجالس اورمختلف اجتماعات کے ذریعہ امت کوصحیح سمت کی طرف چلنے کی تلقین کی اورخدمت افتاء، وقضاء اوردرس وتدریس کے ذریعہ اصلاحات کی پیہم کوششیں کی جس کے لئے قدیم تصنیفات میں ردالمختار (شامی) اورفتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) اوراکابر کی جدید تصنیفات میں امداد الفتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، فتاویٰ امارت شرعیہ، نیز مختلف سوانح اورمکتوبات اور دیگر کتب متداولہ وغیرہ سے استفادہ کرتا رہا۔ میرا تجربہ ہے کہ ان اکابرین کی تصنیفات کی روشنی میں علمائے کرام اور رہنمایانِ عظام مطالعہ کرتے رہیں، اورامت کوصحیح راہ پر گامزن رکھنے کی جدو جہد کرتے رہیں تو جلد از جلد اصلاحی وفلاحی کام ترقی پذیر ہوسکتا ہے، اورفتوحات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

۱۱۔ میرے نزدیک مسلم سماج کی اصلاح اورصالح معاشرے کی تشکیل کا مؤثر فارمولہ اورمسلمہ کلیہ یہی ہے کہ اطاعت خداوندی، اتباع سنت، خدمت خلق اوراسلامی شعارکوپروان چڑھایا جانا چاہئے۔

سوالات کے جوابات مندرج ہوئے، حق تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلائے اوراستقامت علی الدین کی توفیق بخشے اوردین کی راہ میں جوکچھ جدوجہد ہوا سے قبولیت سے نوازے۔ آمین!

❁ ❁ ❁

ضروری اعلان

جیسا کہ آپ لوگوں کومعلوم ہوگا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ترجمان سہ ماہی خبرنامہ گذشتہ دوسالوں سے پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔ مضمون نگار سے بطورِ خاص درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اپنے مطبوعہ مضامین ہرگز ارسال نہ فرمائیں، ادارہ کسی بھی مطبوعہ مضمون کی اشاعت سے معذور ہوگا۔

اسے بھی پڑھئے

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ پچھلے ۳۶/سالوں سے ملک میں مسلم پرسنل لا کی بقاوتحفظ کا کام انجام دے رہا ہے، بلاشبہ موجودہ دور انٹرنیٹ کا دور ہے ، اب بورڈ نے اپنا ای میل aimplboard@vsnl.net بنالیا ہے۔ بورڈ سے رابطہ کرنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ دئے گئے ای میل پر بھی بورڈ سے رابطہ کرسکتے ہیں۔

دوسرا اہم اورضروری اعلان یہ ہے کہ بورڈ نے اپنا ویب سائٹ (www.aimplboard.org) بنالیا ہے ،بالخصوص اس کے اردو ویب سائٹ کوضرور دیکھیں اورہمیں اپنی آراء سے نوازیں۔

❁ ❁ ❁

چند اہم خبریں

(۱)پریس ریلیز:

مولانا انظر شاہ کشمیری کی وفات کے بعد صدر دفتر بورڈ میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی اور پریس کو بھیجی گئی جو حسب ذیل ہے۔

نئی دہلی:۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے معزز رکن، کئی دینی و ملی اداروں کے سرپرست و ذمہ دار، دارالعلوم دیوبند وقف کے شیخ الحدیث اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کا آج تقریباً گیارہ بجے دہلی کے گنگا رام اسپتال میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا شاہ صاحب کے انتقال پر حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے پٹنہ سے اپنے ایک تعزیتی بیان میں فرمایا کہ مولانا کشمیری صاحب ہندوستان کے معروف وممتاز علماء میں تھے،حق تعالیٰ نے آپ کو والد صاحب کی طرح علم حدیث میں بڑا درک دیا تھا۔ ان کے انتقال سے ملک وملت کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ یہ حادثہ ان کے خاندان، پرسنل لا بورڈ وقف دارالعلوم دیوبند اور ان کے ہزاروں شاگردوں اور متوسلین کے لئے بڑا صدمہ اور خلا ہے اللہ نے ان کو بیک وقت لکھنے اور پڑھنے کی یکساں صلاحیت عطا فرمائی تھی آپ بورڈ کے معزز رکن تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں قاضی محمد کامل صاحب قاضی شریعت دارالقضاء کی صدارت میں اور مفتی وصی احمد قاسمی صاحب معاون قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کی نظامت میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں دفتر بورڈ دہلی کے انچارج وقار الدین لطیفی ندوی صاحب، مولانا قمر انیس قاسمی صاحب رئیس المبلغین امارت شرعیہ پٹنہ، مولانا ممتاز عالم صاحب قاسمی، مولانا حامد صاحب ندوی وغیرہ نے شرکت کی اور اس میں کہا گیا کہ حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری صاحبؒ ہندوستان کے چند چیدہ علماء میں سے تھے، ہندوستان میں تعلیمی مسائل کے تعلق سے بڑے سرگرم اور فعال تھے، دارالعلوم دیوبند وقف کے ممتاز ومقبول شیخ الحدیث تھے، ملی اداروں سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے، ملی مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اور سیاسی گرفت بھی اچھی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی تقسیم کے باوجود ان کے درس میں دارالعلوم دیوبند کے طلبا کثرت سے شریک ہوتے تھے جو ان کے درس حدیث کی کامیابی کی علامت تھی اور مولانا مرحوم ومغفور بڑے ذہین اور ظریف الطبع انسان تھے ذہانت آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحبؒ کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

(۲)تفہیم شریعت کمیٹی کے نئے کنویز:

تفہیم شریعت کمیٹی کا کنویز حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو منتخب کیا گیا ہے، امید ہے کہ مولانا کی سرکردگی میں کمیٹی اپنے کام کو بحسن وخوبی انجام دے گی۔

(۳)مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس:

صدر بورڈ محترم کے مشورہ سے محترم جنرل سکریٹری صاحب نے ۶/جولائی ۲۰۰۸ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس طے فرمایا ہے جس میں اہم ایشوز پر بحث ہوگی، ان شاء اللہ۔

(۴) وفیات:

اس دوران آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اپنے دو اہم ارکان سے محروم ہوگیا جن میں محترم جناب عبدالغنی محتشم صاحب جو بورڈ کے رکن عاملہ تھے اور ابھی کلکتہ اجلاس میں رکن اساسی بھی ہو گئے تھے۔ محتشم صاحب قوم کے بڑے خیر خواہ تھے، ملت کی فلاح و بہبود کی خاطر ہر طرح کے تعاون اور قربانی کے لئے پیش پیش رہتے تھے، کئی اداروں سے ذمہ دارانہ طور پر وابستہ تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوری کے ایک اہم رکن تھے۔ تجارت آپ کا پیشہ تھا لیکن دل ملت کی فلاح و بہبود کی خاطر وقف تھا۔

بورڈ کے دوسرے اہم رکن اساسی، وقف دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مسعودی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال سے ایک طرف وقف دارالعلوم دیوبند کے لئے نا قابل تلافی نقصان ہے تو دوسری طرف پوری ملت اسلامیہ ہندیہ بالخصوص آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک نا قابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

اس کے علاوہ غیر ارکان میں صدر بورڈ محترم کے بھتیجہ مولانا سید حسین حسنی صاحب مقیم حال دہلی، رکن بورڈ پیر جی حافظ حسین احمد صاحب بوڑیہ ہریانہ کے بہنوئی اور مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ کے بانی و مہتمم مولانا زبیر احمد جامعی صاحب بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

بقیہ صفحہ ۲۹ کا معاشرہ سے وابستہ.....

اگر یورپی ممالک اس طرح کے مطالبات کرتے تو بات سمجھ میں آتی ہے، مگر مسلم ممالک کی ایمبیسیوں نے ایسے قوانین لگا دیے ہیں اس پر سوائے افسوس کرنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے، اس پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ ہماری مسلم تنظیموں کو چاہئے کہ وہ تمام مسلم ممالک کے ہائی کمان سے بات چیت کریں اور اس طرح کی شرائط منسوخ کرنے اور مسلم سوسائٹیز اور اداروں کی طرف سے جاری کئے گئے نکاح ناموں کو اسی طرح تسلیم کریں جیسے کرتے آئے ہیں، اور انہیں اس بات کو باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہ دراصل بھارت میں لازمی نکاح رجسٹریشن، یکساں سول کوڈ کے مطالبے کو تقویت، بلکہ اس قانون کے تنفیذ کی ایک شکل ہے، اور اگر اس میں کامیابی نہیں ملتی ہے تو مسلم پرسنل لا بورڈ اور ان جیسے اداروں کو چاہئے کہ اس کے متبادل پر غور کریں، یا پھر اس بات کی کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کی کسی رجسٹرڈ تنظیم کو یہ حق حاصل ہو کہ اس کی طرف سے جاری کیا جانے والا نکاح نامہ کو حکومت ہند بھی تسلیم کرے اور دیگر ممالک بھی، ورنہ اس سے بڑے مسائل کھڑے ہوں گے، قبل اس کے کہ پانی ہمارے سر سے اونچا ہو جائے ہمیں اس کے مداوے کی تدبیر کر لینی چاہئے اور دانشمندی اور مومنانہ فراست یہی ہے۔

آخری بات:

آج ہماری کوشش اصلاح معاشرہ پر مرکوز ہے، معاشرہ کی اصلاح کسی ایک مسئلہ پر توجہ دینے، یا صرف شادی میں بے جا اسراف، جہیز اور تلک کی روک تھام سے ہی نہیں ہوگی، بلکہ سود کی لعنت سے آزادی، تعلیم و تربیت کے معیار کی بلندی، فقر و فاقہ سے نجات، اخلاق و کردار کی بلندی، امت کے عملی اور فکری اتحاد، بے روزگاری کا خاتمہ اور زندگی کے ہر ہر شعبہ میں قائدانہ رول ادا کرنے اور کتاب و سنت کا حقیقی قلادہ اپنی گردن میں ڈالنے سے مستحکم امت وجود میں آئے گی اور ایک ذمہ دار طاقتور معاشرہ تشکیل پائے گا، اس کے لئے:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو چاہئے کہ چونکہ اس کے پاس افراد کی کمی نہیں ہے، علماء اور دانشوروں پر مشتمل الگ الگ Wings بنا کر اس کی نگرانی کرے، اور ہندوستانی مسلمانوں کو ہر شعبۂ زندگی میں مستحکم کرنے کا فریضہ انجام دے، مسائل و اہداف کو پانے کے لئے ٹیم ورک اور تحلیل و تجزیہ کرے، ملی مسائل کے تئیں بیدار مغزی کا ثبوت دے اور حالات کس رخ پہ جا رہے ہیں اس کے مطابق اقدام کرے، اور ہر شعبۂ حیات کے ماہرین سے خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرے "انما كان قول المؤمنين إذا دعوا إلى الله و رسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا و اطعنا"۔

خبر ناموں میں شائع شدہ مضامین کی موضوعاتی تفصیلات

اسلامی قوانین

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	کس شمارہ میں	صفحہ نمبر
۱	قانون شریعت میں طلاق کی گنجائش رکھ کر عورتوں کو تحفظ دیا گیا	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ (صدر سوم بورڈ)	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۰
۲	اسلام اور تکریم انسانیت	(مولانا) یٰسین اختر مصباحی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۱۸
۳	انسانی معاش کا مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	(مولانا) عطر یف شہباز ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۱۲
۴	فتوی کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر مفتی محمد نعیم اختر ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۵۷
۵	فتوی-سچائی اور پروپیگنڈہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۶۰
۶	جدید ہندوستان میں اردو تعلیم-مسائل اور ممکنہ حل-اسکولی سطح پر	پروفیسر ریاض عمر	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۶۳
۷	کامیابی کی راہ اسلامی شریعت پر عمل	(حضرت مولانا) منت اللہ رحمانیؒ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۵
۸	عالم اسلام میں نافذ مسلم پرسنل لا کی صورت حال	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۶
۹	جمہوری اسلامی ایران کا آئین اور عائلی قوانین	مولانا سید عقیل الغروی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۱۹
۱۰	فتوی اور مفتی-ضرورت اور تقاضے	مولانا غلام محمد وستانوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۴۹
۱۱	APPLICTION AND INTERPRETATION OF ISLAMIC LAW	MD. ABDUL RAHIM QURAISHI	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	
۱۲	اسلام کا نظام طلاق وتفریق	قاضی عبد الجلیل قاسمی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۹۲

نظام قضا

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	کس شمارہ میں	صفحہ نمبر
۱	اسلامی نظام قضاء اور ہندوستان	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۷
۲	بورڈ کے تحت قائم دار القضاء کا اجمالی خاکہ	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۸
۳	دوسری تنظیموں کے تحت قائم دار القضاء کا خاکہ	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۹
۴	قضاء اور نظام قضاء	قاضی عبد الجلیل قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۲۷
۵	قیام دار القضاء اور مسلم پرسنل لا بورڈ	(مولانا) عتیق احمد قاسمی بستوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۳۰
۶	ہندوستان میں اسلامی نظام قضاء اور اس کے متعلق کتابیں-ایک جائزہ	مولانا شاہجہاں احمد مجیبی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۱۵

اصلاح معاشرہ

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	کس شمارہ میں	صفحہ نمبر
۱	اصلاح فرد و معاشرہ-صوفیاء کا نقطہ نظر و طریقہ کار	(شاہ قادری) سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۱۲
۲	اصلاح فرد و معاشرہ-صوفیاء کا طریقہ کار	(مولانا) مفتی مکرم احمد	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۱۴
۳	معاشرہ کی اصلاح سے متعلق کچھ ضروری باتیں	(مولانا) محمد برہان الدین سنبھلی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۳۵
۴	اصلاح معاشرہ ملک وملت کی ضرورت	(مفتی) محمد ارشد فاروقی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۴۰

۵	اصلاح معاشرہ ایک ہمہ گیر تحریک کا تصور	(مفتی) مشتاق تجاروی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۴۲
۶	اصلاح معاشرہ کی جہتیں	(مفتی) احمد نادر القاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۴۵
۷	پریم کا سنڈیش	(مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۵۲
۸	تحریک اصلاح معاشرہ (اجلاس بھوپال رپورٹ)	(مولانا) محمد ولی رحمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۵۵
۹	اصلاح معاشرہ تحریک جاری ہے	مولانا محمد رضاء الرحمٰن	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۶۱
۱۰	اصلاح معاشرہ تحریک	مجاہد الاسلام رحمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۶۳
۱۱	ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی تنگدستی اور اس کے ازالہ کے طریقے	(جناب) پروفیسر ریاض عمر	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۱۰
۱۲	ایک اسلامی معاشرہ انسانی معاشرہ کو کیسے متاثر کرسکتا ہے	(مفتی) محمد احمد ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۱۸
۱۳	صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل اسلامی معاشرہ کرسکتا ہے	(مفتی) محمد ارشد فاروقی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۲۱
۱۴	مقام تربیت قرآن وحدیث میں	(ڈاکٹر) سید محمد اجتبا ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۲۶
۱۵	دین میں تربیت کی اہمیت	(ڈاکٹر) محمد اسحاق فلاحی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۲۸
۱۶	قرآن وحدیث میں تربیت کا تصور	(مفتی) محمد مشتاق تجاروی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۳۲
۱۷	ذات پات کی تفریق اور اسلام کا تصور مساوات	(مولانا) اصغر علی امام مہدی سلفی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۳۶
۱۸	امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ - اور اصلاح معاشرہ کی تحریک	حافظ امتیاز رحمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۴۲
۱۹	اصلاح معاشرہ بنیادی مباحث	مولانا سید عقیل الغروی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۲۱
۲۰	عصر حاضر میں اصلاح وتربیت کے نئے طریقے	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۲۳
۲۱	اصلاح معاشرہ کے لئے میڈیا کا استعمال	مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۲۵
۲۲	دعوت واصلاح کے لئے دیگر زبانیں سیکھنے کی ضرورت	مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۲۷
۲۳	اپنی تربیت آپ - اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۳۰
۲۴	مسلم معاشرہ کے نئے ابھرتے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد اسرار الحق قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۳۷
۲۵	اصلاح معاشرہ میں مدارس کا رول	مولانا غلام محمد وستانوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۳۹
۲۶	اسلامی تربیت کی ضرورت واہمیت	مفتی امتیاز احمد قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۴۰
۲۷	ہندوستان میں اصلاح معاشرہ کی تحریکات	محمد اسعد قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-اکتوبر ۲۰۰۶ء تا مارچ ۲۰۰۷ء	۴۲
۲۸	''تقویٰ'' معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کا موثر ذریعہ	مولانا اسرار الحق قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-اکتوبر ۲۰۰۶ء تا مارچ ۲۰۰۷ء	۳۶
۲۹	بچوں کی تربیت - ایک اہم فریضہ	ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی مجددی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۷۲
۳۰	اصلاح کا تصور قرآن مجید میں	مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۷۷
۳۱	اصلاح قلب کی اہمیت، آفات، رکاوٹیں اور اصلاح کے طریقے	مفتی محمد احمد ندوی قاسمی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۸۳
۳۲	اصلاح وتجدید اور مسلم پرسنل لا بورڈ	مفتی محمد ارشد فاروقی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۸۸

لازمی نکاح رجسٹریشن ونکاح نامہ

۱	نکاح نامہ: صحیح سمت میں اہم قدم	(جناب سید شہاب الدین	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۵
۲	لازمی نکاح رجسٹریشن اور پرسنل لا بورڈ کا موقف	(مولانا) وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۲۶

ملکی قوانین

۳	مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک ہندوکوڈ بل سے پیدا ہوئی	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (صدر اول بورڈ)	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۸
۴	یونیفارم سول کوڈ سے حقیقی اتحاد کی امید محض خوش فہمی	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ (صدر دوم بورڈ)	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۹

۵	پارلیمنٹ اور مسلم پرسنل لا	(جناب) غلام محمود بنات والا	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۳
۶	کشمیر میں مسلم پرسنل لا کی قانونی و دستوری حیثیت ایک جائزہ	مفتی نذیر احمد	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۱۱
۷	THE CONSTITUOTION OF INDIA AND UNIFROM CIVIL CODE	MD. ABDUL RAHIM QURAISHI	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	
۸	جموں کشمیر میں مسلم پرسنل لا کا نفاذ	محمد عبدالرحیم قریشی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۳
۹	شادیوں کے لازمی رجسٹریشن بل کا مسودہ ۲۰۰۵ء		جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۶
۱۰	نوٹیفکیشن بہار میرج رجسٹریشن قواعد ۲۰۰۶ء	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۱۳
۱۱	خواتین کو خانگی تشدد سے تحفظ کا ایکٹ ۲۰۰۵ء	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۱۴
۱۲	گھریلو تشدد اور تحفظ خواتین - نئے قانون کا تجزیاتی مطالعہ	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۳۰
۱۳	مسز شبنم ہاشمی بنام حکومت ہند و دیگر	پروفیسر احمد اللہ خان	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۵۳
۱۴	ہندوستان میں مسلم پرسنل لا	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۳۴
۱۵	طلاق سے متعلق اہم عدالتی فیصلوں پر تبصرے	محمد عبدالرحیم قریشی	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۴

خواتین کے مسائل

۱	خواتین کی اعلیٰ دینی، عصری و فنی تعلیم	مولانا اختر امام عادل قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۴۴
۲	خوبصورت گھر، خوبصورت معاشرہ	(مفتی) فضیل الرحمن ہلال عثمانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۹
۳	بیوہ خواتین کی کفالت اور معاشرہ کی ذمہ داریاں	(مولانا) محمد اسرار الحق قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۱۰
۴	میراث کی تقسیم اور عورتوں کی حق تلفی کا مسئلہ	(ڈاکٹر) مفتی محمد نعیم اختر ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۲۵
۵	مسلم معاشرہ میں خواتین کی صورتحال	(مولانا) محمد اسرار الحق قاسمی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۴۹
۶	خواتین کا استحصال	(مولانا) عبدالحق فلاحی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۵۳
۷	زوجین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں	(مولانا) رضوان احمد ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۵۶
۸	عہد رسالت و خلافت راشدہ میں خواتین کو حاصل اظہار رائے کا حق	عظمیٰ ناہید	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۵۱
۹	مسلم طالبات کی اعلیٰ تعلیم	نور جہاں شکیل	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۵۵
۱۰	کیرلہ میں مسلم خواتین کے مسائل ایک سماجی مطالعہ	کے۔ اے۔ صدیق حسن	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۸
۱۱	کشمیر میں مسلم خواتین کے سماجی مسائل	پروفیسر ڈاکٹر حسینہ حاشیہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۱۵
۱۲	عورت اور معیشت	مولانا سید جلال الدین عمری	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۲۵
۱۳	خواتین کی معاشی اور اقتصادی صورت حال	مولانا غلام محمد وستانوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۳۳
۱۴	ہندوستان کی مسلم خواتین۔ مسائل اور حل	عظمیٰ ناہید	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۳۸
۱۵	اسلام میں تعلیم اور عورت	ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری، ام ہانی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۳۸
۱۶	مشترک خاندان...............	(مولانا) عبداللہ طارق	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۳۲
۱۷	جدید ہندوستان میں مسلم خواتین تعلیمی- اقتصادی و معاشرتی صورتحال	غلام محمود بنات والا	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱، ۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۵۶
۱۸	ناسک میں موجود مسلمان لڑکیوں کے دینی و عصری تعلیمی ادارے۔ ایک جائزہ	اے۔ امیر النساء	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱، ۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۶۴
۱۹	MUSLIM WOMEN OF KERALA	Dr.Fabeena Seethi	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱، ۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۶۳
۲۰	ہندوستانی مسلم خواتین کی سماجی صورتحال	عظمیٰ ناہید	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱، ۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۶۶
۲۱	سعودی خواتین کی حالت اور موجودہ موقف	الطاف مالائی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱، ۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۶۹

۲۲	مسلم خواتین-مسائل اور حل	اے-امیر النساء	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۷۰

اقلیتوں کے حقوق

۱	اقلیتوں کے حقوق-دستور ہند کی روشنی میں	(جناب) غلام محمود بنات والا	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۸

بورڈ کی سرگرمیاں

۱	۲۰۰۴ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی سرگرمیاں	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۴
۲	بورڈ کی چند اہم و تاریخی قراردادیں	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۳
۳	مطبوعات بورڈ کا مختصر تعارف	مفتی وصی احمد قاسمی	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۳۰
۴	اجلاس عام ایک نظر میں	ادارہ	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۳۲
۵	مرکزی دفتر بورڈ کی بھوپال اجلاس کے بعد مختصر کارکردگی رپورٹ	محمد وقار الدین لطیفی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ (جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۶ء)	۶۹
۶	مرکزی دفتر بورڈ دہلی کی سرگرمیاں	محمد وقار الدین لطیفی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۲، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء	۶۳
۷	بورڈ کی سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۳۶
۸	اعلامیہ چنئی اجلاس (مدراس)	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	
۹	اجلاس عمومی چنئی میں منظور کردہ اہم تجاویز		جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۸۴
۱۰	کارروائی مجلس عاملہ بورڈ منعقدہ ۲۲ اپریل ۲۰۰۷ کی مختصر رپورٹ	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۸۵
۱۱	بورڈ کے نائب صدر حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی صاحب کا انتقال	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۳، اپریل، مئی، جون ۲۰۰۷ء	۸۸
۱۲	رپورٹ کارروائی مجلس عاملہ	مولانا رضوان احمد ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۵
۱۳	مطبوعات بورڈ	مولانا وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۵۴
۱۴	مرکزی دفتر بورڈ کی کارکردگی رپورٹ	مولانا وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۷
۱۵	اسلامی شریعت ہندوستان میں	مولانا احمد علی قاسمی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۵۱
۱۶	مسلم پرسنل لا کی تاریخ ایمان و یقین کے متوالوں کی تاریخ ہے	حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۵۴
	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء	۶۶

اتحاد ملت

۱	اختلاف کے ساتھ اتحاد	ڈاکٹر مفتی محمد نعیم اختر ندوی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۹۴
۲	اتحاد کی راہیں اور حدود و اختلافات	ڈاکٹر سید عبد الباری	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۹۹
۳	اعتدال و توازن	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۱۰۳
۴	اتحاد اسلامی	مترجم: مکی قمر اثری	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۵۸

متفرق مضامین

۱	وقت کی زبان اور اسلوب کی ضرورت	عطر یف شہباز ندوی	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۳۸
۲	مثبت قوت فکر و عمل کی ضرورت	صفی اختر	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۱ اکتوبر ۲۰۰۶ تا مارچ ۲۰۰۷ء	۴۳
۳	دانشوران ملک و ملت سے چند سوالات اور ان کے جوابات	ادارہ	جلد نمبر-۱، شمارہ نمبر-۴، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۷	۴۵
۴	وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے مسائل دوسروں کے ذریعہ حل کرنے کی عادی ہو	حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری اول بورڈ)	ابتدائی (اپریل، مئی، جون ۲۰۰۵ء)	۱۱
۵	مدارس اسلامیہ کے مروجہ نظام تعلیم و تربیت میں مطلوبہ تغیرات	ڈاکٹر سید عبد الباری	جلد نمبر-۲، شمارہ نمبر-۱،۲ (اکتوبر ۲۰۰۷ تا مارچ ۲۰۰۸ء)	۵۸

اغراض ومقاصد

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

- ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لا'' کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا۔ بالواسطہ، بلاواسطہ یا متوازی قانون سازی جس سے قانون شریعت میں مداخلت ہوتی ہو، عام ازیں کہ وہ قوانین پارلیمنٹ یا ریاستی مجلس قانون ساز میں وضع کئے جا چکے ہوں یا آئندہ وضع کئے جانے والے ہوں یا اس طرح کے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ذریعہ بنتے ہوں انہیں ختم کرانے یا مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی جد وجہد کرنا۔
- مسلمانوں کو عائلی ومعاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام وآداب، حقوق وفرائض اور اختیارات وحدود سے واقف کرانا اور ان سلسلہ میں ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا۔
- شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ کیلئے ہمہ گیر خاکہ تیار کرنا۔
- مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلے درآمد کرنے کی خاطر پورے ملک میں جد وجہد منظم کی جا سکے۔
- علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسرے سرکاری ونیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circulars) یا ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں پیش کئے جانے والے مسودات قانون (بل) کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے۔
- مسلمانوں کے تمام فقہی مسلکوں اور فرقوں کے مابین خیرسگالی، اخوت اور باہمی اشتراک وتعاون کے جذبات کی نشوونما کرنا، اور ''مسلم پرسنل لا'' کی بقا وتحفظ کے مشترک مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان رابطہ اور اتحاد واتفاق کو پروان چڑھانا۔
- ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا اور نئے مسائل کے پیش نظر مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کرنا اور شریعت اسلامی کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب وسنت کی اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کرنا۔
- بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے وفود کو ترتیب دینا، Study Teams تشکیل دینا، سمینار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دوروں اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا، نیز ضروری لٹریچر کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات ورسائل اور خبرناموں وغیرہ کا اجراء اور اغراض ومقاصد کے لیے دیگر ضروری امور انجام دینا۔